وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶- کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور

ریفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں

۱۰ مختلف سائزیں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔ بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز

رُوم ایئرکنڈیشنز

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا

گنجائش ۱/۲ ۱ ٹن (۱۸،۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)

پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ

ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ

بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ

براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

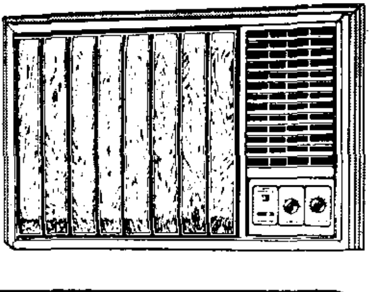

اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنز

نیا روٹری کمپریسر آواز، ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔

دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرہ میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے

۲۴ گھنٹے کا وقتی سوئچ۔

آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے

۳-اسپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

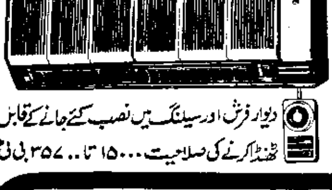

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل

ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:

مذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعداز فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔ صدر کراچی

فون: ۷۷۲۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰

پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786 WW-67/82

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد : ۳۲ | شمارہ : ۷ | رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ مطابق جولائی ۱۹۸۲ء

مشمولات

عرضِ احوال ———— ۳
جمیل الرحمٰن

الہدیٰ (پانچویں نشست) ———— ۷
ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصوّر ———— ۱۹
ڈاکٹر اسرار احمد

اظہارِ حق ———— ۳۷
(قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں)
قاری نصیر احمد غزنوی

اسلام اور پردہ ———— ۴۷
علّامہ شبلی نعمانی

دبالوالدین احسانا ———— ۶۳
محمد یونس جنجوعہ

غلط خبر ———— ۶۷

رفتارِ کار ———— ۷۱

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔
کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

مرکزی مجلس مشاورت کا انتخاب

برائے سال ۸۴-۱۹۸۳ء

امیر تنظیم اسلامی کے ارشاد مندرجہ تنظیمی سرکلر نمبر ا مؤرخہ ۹ مئی ۱۹۸۳ء کے مطابق مرکزی مجلس مشاورت برائے سال ۸۴-۱۹۸۳ء کیلئے جو انتخاب کرایا گیا تھا، اسکے نتیجے کے طور پر مندرجہ ذیل رفقاء منتخب ہوئے ہیں۔

حلقہ نمبر ۱ جناب اقبال حسین صاحب

حلقہ نمبر ۲ ڈاکٹر وقار احمد صاحب

حلقہ نمبر ۳ جناب محمد حنیف ورک صاحب

حلقہ نمبر ۴ چوہدری عباس علی صاحب

حلقہ نمبر ۵ جناب اقتدار احمد صاحب

حلقہ نمبر ۶ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب

حلقہ نمبر ۷ قاضی عبدالقادر صاحب

حلقہ نمبر ۸ ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب

حلقہ نمبر ۹ جناب عبدالواحد ہاشم صاحب

حلقہ نمبر ۱۰ جناب واحد علی رضوی صاحب

حلقہ نمبر ۱۱ میاں محمد نعیم صاحب

حلقہ نمبر ۱۲ عبدالواحد خاں صاحب

حلقہ نمبر ۱۳ جناب صلاح الدین صاحب

حلقہ نمبر ۱۴ جناب سید محمد آزاد صاحب

حلقہ نمبر ۱۵ جناب عبدالصمد شیروانی صاحب

حلقہ نمبر ۱۶ جناب احسان الحق صاحب

حلقہ نمبر ۱۷ ڈاکٹر حافظ غلام حیدر زین صاحب

امیر محترم نے مندرجہ ذیل رفقاء کو مرکزی مجلس مشاورت کی رکنیت کیلئے نامزد کیا ہے۔

۱ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب

۲ محمد بشیر ملک صاحب

۳ پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب

۴ جناب الطاف حسین صاحب

۵ ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب

۶ چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب

۷ جناب عبدالرزاق صاحب

۸ جناب شمس الحق اعوان صاحب

۹ چوہدری غلام محمد صاحب

۱۰ جناب قمر سعید قریشی صاحب

۱۱ جناب عبدالخالق صاحب چاندنہ

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم

شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۱۹۸۳ء کا شمارہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ شمارہ اس حال میں مرتب کیا گیا ہے کہ ایک طرف خلافِ معمول تقریباً پورا ملک شدید ترین گرمی کی زد میں ہے اور دوسری طرف ماہِ رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ موسم گرما کے روزے واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک کڑی آزمائش ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو جو شہر الصبر اور اس صبر کا ثواب جنت قرار دیا ہے، ھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ۔ تو اس کی حکمت اور رمز سے وہی خوش نصیب لوگ آشنا ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایمان و احتساب کے ساتھ اس تمازت اور حبس کے موسم میں روزے رکھنے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔

اس ماہ کا شمارہ بڑی افراتفری میں مرتب کیا گیا ہے۔ خوشنویس صاحبان مضمحل رہے، راقم الحروف اس دوران کراچی میں مقیم رہا اور تاحال مقیم ہے۔ میرے رفیق کار میاں حافظ عاکف سعید سلمہٗ، محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ ۹ مئی ۸۳ء کو شمالی امریکہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے جہاں سے ۲ جون ۸۳ء کو ان کی لاہور مراجعت ہوئی۔ چونکہ ان کو "جامع قرآن" قرآن اکیڈمی میں تراویح میں قرآن مجید سنانا تھا لہٰذا وہ اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ لہٰذا پرچے کی تیاری کے لیے جو توجہ اور وقت دیا جانا چاہیے تھا، اس کا حق ادا نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع کی روداد کی تیسری قسط اس شمارے کے لیے تیار نہ ہو سکی۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف کے ولولہ اور فکر انگیز خطاب "اصلاح معاشرہ کا انقلابی تصور" بھی پورا

کیسٹ سے منتقل نہ کیا جا سکا اور اس ماہ کے لیے اس خطاب کی تمہید کی اشاعت پر اکتفا کرنا پڑا۔ البتہ اس شمارے میں ایک قیمتی مضمون "اظہارِ حق: قادیانیت و مرزائیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں" کی پہلی قسط ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے۔ مضمون کے مؤلف حافظ نصیر احمد غزنوی پٹیالوی (حال مقیم کراچی) ہیں۔ موصوف نے یہ کمال کیا ہے کہ پورا مضمون آنجہانی غلام احمد قادیانی کے لٹریچر کے اقتباسات سے مرتب کیا ہے۔ اپنی جانب سے بطور تنقید یا تبصرہ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جو بدنصیب لوگ قادیانیت کے دجل و فریب میں مبتلا ہیں، اور ان پر قرآن حکیم کے یہ الفاظ بالکل صادق آتے ہیں کہ: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ — آنجہانی مرزا کے لٹریچر کے ان اقتباسات کے مطالعے سے ہر ذی العقل اور سلیم الفطرت انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ نبی تو کجا ایک مردِ معقول کے بجائے ایک فاتر العقل انسان تھا۔ میثاق میں اس مضمون کی اقساط تکمیل اشاعت کے بعد اس کو ان شاء اللہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا، تاکہ ردِّ قادیانیت کے لیے اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

محترم ڈاکٹر صاحب شمالی امریکہ کے دعوتی دورے سے ۶ جون ۸۳ء کو اسلام آباد واپس پہنچے اور اپنے ماہانہ معمول کے مطابق اسلام آباد و راولپنڈی میں درس دیا اور وہاں سے ۷ جون کو موصوف کی لاہور مراجعت ہوئی۔ یہاں آکر ۱۰ جون کے جمعہ سے مسجد دارالسلام میں خطاباتِ جمعہ کی تجدید کا آغاز کیا — پھر رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی میں تو گویا بہار آگئی — ۱۲ جون کو اس ماہ مبارک کے چاند کے بعد جامع قرآن میں تراویح کا سلسلہ شروع ہوگیا اور الحمد للہ کہ نماز تراویح کے ساتھ ساتھ بیان القرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ہر چار رکعت سے قبل جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پڑھی جانے والی آیات کے مضامین کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس پروگرام میں شرکت

کے لیے شہر سے بھی کافی حضرات ذوق و شوق سے تشریف لا رہے ہیں۔ حسبِ سابق اس مرتبہ بھی خیال ہے کہ آخری عشرے میں ایک قرآن مزید ختم کیا جائے۔ صورت اس کی یہ ہوگی کہ ۲۰ رمضان تک نمازِ تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مکمل کر لیا جائے گا اور پھر آخری عشرے میں روزانہ تین یا تین سے کچھ زائد پارے پڑھ کر ۲۹ ویں شب کو دوسری مرتبہ نمازِ تراویح میں تلاوتِ قرآن پاک کی تکمیل ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پروگرام کو باعثِ خیر و برکت بنائے۔ آمین۔

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ٢٥)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں

Interested buyers and sellers of Iron and steel scrap & non -ferrdus metal scrap are requested to contact :
MANZOOR BHAI for any deal Insha-Allah our method of wor-k will prove honesty and competative our experiance is since last ten years.

OFFICE:

3/32, Al-Yousaf Chambers,
Shahrah-e- Liaqut
NEW Challi,
Karachi
(PAKISTAN)

ones: 218734
213169

ble: HAPPYSABA

lex: 24490 SABA PK.

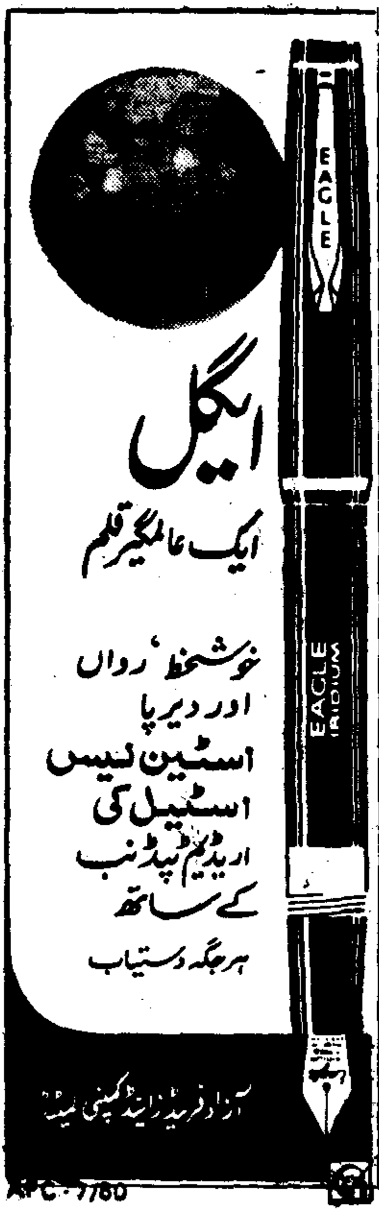

(پانچویں نشست)

الھــــدیٰ

حقیقتِ برّ و تقویٰ

آیۂ برّ (سورہ بقرہ: ۱۷۷) کی روشنی میں
پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

——— (۲) ———

السلام علیکم: نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم حاضرین اور معزز ناظرین! ہم نے برّ یعنی نیکی اور تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا کی حقیقت کو سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کی روشنی میں سمجھنے کے لئے جس کو میں "آیتِ برّ" سے موسوم کرتا ہوں چند ابتدائی اور تمہیدی باتوں پر غور کیا تھا۔ اس آیۂ مبارکہ پر مزید غور و تدبّر سے قبل میں چاہوں گا کہ ہم ایک بار پھر اس آیت کی تلاوت اور اس کا سلیس ورواں ترجمہ بھی کرلیں۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَ
فِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اس کا سلیس اور رواں ترجمہ یہ ہے:

"نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر۔ اور دیا اُس نے مال اسکی محبت کے باوجود رشتے داروں کو، یتیموں کو محتاجوں کو مسافر کو، مانگنے والوں کو اور گلو خلاصی میں۔ اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی اُس نے زکواۃ — اور اپنے عہد کو پورا کرنیوالے جب باہم کوئی معاہدہ کرلیں — اور بالخصوص صبر کرنیوالے فقر و فاقہ پر اور تکالیف اور مصائب میں اور جنگ کے میدان میں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً سچے اور راست گفتار ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو واقعۃً متقی ہیں"

اس آیۂ مبارکہ میں جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے نیکی کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اُس کے سطحی اور محدود تصوّر کی نفی سے بات شروع ہوئی اور پھر نیکی کا جامع اور مکمل تصوّر بیان کر دیا گیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ کسی صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بِرّ (نیکی) کا مفہوم دریافت کیا تو آں حضورؐ نے سورہ بقرہ کی اسی آیت کی تلاوت فرما دی۔ اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلوب وہی ہے جو ہمارے کلمۂ طیبہ میں ہے۔ نفی سے آغازِ کلام ہو پھر اثبات کی طرف لے جاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ یہاں فرمایا۔ لَیْسَ الْبِرَّ نفی کے انداز میں

گفتگو شروع فرمائی - پھر اثبات ذلک الکتٰب سے شروع کر کے ھم المتقون۔ تک بیان فرمادیا۔

اب لفظِ برّ پر غور کیجئے جس کے معنی ہم نے نیکی کئے ہیں - لیکن اس لفظ کی اصل رُوح کیا ہے؟ نیکی سے اُسکی مناسبت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے - اس کے حروفِ اصلیہ ہیں - با - را - را جس کو اُردو میں عام فہم انداز میں ہم کہیں گے - ب - ر - ر - اسی سے لفظِ بِرّ بنا ہے اور بَرّ بھی - برّ و بحر - اُردو میں عام طور پر مستعمل ہے - بِرّ اور بَرّ ان دونوں میں جو قدر مشترک ہے اُس کو سمجھ لیجئے - انسان جب سمندر میں ہوتا ہے - ہچکولے لگتے ہیں - ہر انسان کو ایک تشویش لاحق رہتی ہے - اُسے وہ اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہوتا جو کہ خشکی پر ہوتا ہے - ساحل پر انسان اترتا ہے تو جیسے ہی خشکی "بَرّ" پر اُس کے پاؤں لگتے ہیں، ایک اطمینان اور ایک سکون کی کیفیت اُسے از خود حاصل ہو جاتی ہے - یہی اطمینان اور سکون اسی لفظ کی اصل جان ہے - انسان کے وہ اعمال جو اُسے قلبی سکون عطا کرنے والے ہیں جیسے کہ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا جو ضمیر کی خلش کو مٹانے والے ہیں جو تسکین بخش ہیں - یہی کام ہیں کہ جن کو ہم نیکی کے کام سے منسوب کرتے ہیں - یہی بِرّ کے کام ہیں انگریزی کی ایک نظم میں یہ CONCEPT بہت عمدگی سے آیا ہے -
CHARITY کے عنوان سے ایک نظم ہے

CHARITY THAT SOOTH, AND HEAL AND BLESS
AND SCATTERED OVER THE FEET OF MAN LIKE
FLOWERS CHARITIES THAT SOOTH AND HEAL
AND BLESS

اس نیکی میں، اس خیر میں، اس بھلائی میں اس خدمتِ خلق میں

ایک عجیب تسکین بخش کیفیت ہے ۔ بالکل ایسے جیسے کہ کسی زخم پر مرہم کا پھاہا رکھ دیا جائے ۔ اسی طرح یہ اعمال انسان کو سکون قلب اور تسکینِ باطنی عطا کرتے ہیں ۔

دوسری بات اس آیہ مبارکہ میں تدبّر سے متعلق ہے لہذا ہم آگے بڑھ رہے ہیں ۔ تدبّر کے ضمن میں پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ نیکی کی بحث میں سب سے پہلے ذکر ایمان کا ہو رہا ہے ۔ بظاہر یہ بات ہمارے عام تصورات کے اعتبار سے کچھ ان مل بے جوڑ سی معلوم ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ نیکی کا تعلق تو ہم عمل سے سمجھتے ہیں ۔ یہ ایمان کی بحث یہاں کیسے آگئی! اور پھر یہ کہ مختلف ایمانیات کا بھی ذکر موجود ہے جن کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کا نیکی کی بحث سے کیا تعلق معنوی ہے ۔ ہماری آج کی گفتگو کا اصل موضوع یہی ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ فلسفۂ اخلاق میں یہ ایک مستقل موضوع ہے ۔ اس فلسفۂ اخلاق میں دو سوالات بنیادی ہیں ۔ پہلا بنیادی سوال یہ ہے کہ ETHICAL VALUES کیا ہیں ؟ اخلاقی اقدار کیا ہیں ؟ وہ مستقل ہیں ؟ دائم ہیں! یا اُن میں کوئی تغیر و تبدّل ہوتا ہے ؟ حالات کے بدلنے اور زمانے کے گذرنے سے آیا یہ اخلاقی اقدار (ETHICAL VALUES) بھی تبدیل ہو جاتی ہیں یا نہیں ؟ دوسرا سوال جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ وہ یہ ہے کہ وہ قوتِ متحرکہ (MOTIVATING FORCE) کونسی ہے ۔ جو انسان کو نیکی پر کاربند رکھے ۔ نیکی اور خیر کے کاموں کا اصل جذبۂ محرکہ کونسا ہے اور اس کے لئے اصل قوت محرکہ کیا ہے ؟

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر جو اچھے شاعر ہوتے ہیں وہ انسانی مشاہدات ہی کو خوبصورتی سے اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں تو مرزا غالب نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اس طبیعت کو خیر اور زہد کی طرف لانے والی شئے کونسی ہے؟ ایک شخص کو معلوم ہے کہ جھوٹ بولنا بُرا ہے لیکن وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ جھوٹ بولنے سے مجھے کچھ نفع حاصل ہو سکتا ہے اب وہ کونسی چیز ہے جو اُسے جھوٹ بولنے سے باز رکھے اور سچ بولنے پر آمادہ کرے خواہ سچ بولنے میں نقصان نظر آ رہا ہو۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے قرآن حکیم کا فلسفہ یہ ہے کہ نیکی اور بدی کا بنیادی شعور فطرتِ انسانی میں موجود ہے جیسے انسان کو اللہ نے یہ ظاہری استعدادات دی ہیں جیسے سماعت ہے۔ بصارت ہے۔ قوت گویائی ہے۔ اور اسی نوع کی دوسری استعدادات ہیں۔ ایسے ہی فطرتِ انسانی میں کچھ باطنی استعدادات بھی مضمر ہیں جنکو دیکر انسان دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے! آخری پارے میں ایک جگہ اسکو بیان کیا گیا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا "اور شاہد ہے نفسِ انسانی اور جو اس کو سنوارا اور بنایا اور جو اسکی نوک پلک درست کی اور اُسمیں الہامی طور پر فجور (بدی) اور تقویٰ (خیر) کا علم ودیعت کر دیا" اسی لئے نیکی کے لئے قرآن مجید کی ایک کثیر الاستعمال اصطلاح "معروف" ہے یعنی جانی پہچانی چیز۔ اور بدی کے لئے "منکر" ہے یعنی اجنبی سی بات جسے فطرتِ انسانی قبول نہیں کرتی اور اُس سے اِباء کرتی ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک یہ ETERNAL VALUES ہیں سچ بولنا ہمیشہ سے نیکی تصوّر کیا گیا ہے اور آج بھی اُسے نیکی سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا شخص بھی یہ جان رہا ہوتا ہے کہ میں ایک بُرا کام کر رہا ہوں خواہ وہ اپنے آپ کو کسی مجبوری کے حوالے سے فائل (JUSTIFY) کر لے

لیکن جانتا ہے کہ میں ایک بُرا کام کر رہا ہوں - تو یہ ETERNAL VALUES ہیں - بڑی پیاری بات علامہ اقبال نے کہی جو نیکی اور بدی کے ان بنیادی تصوّرات کے ضمن میں صد فیصد درست ہے کہ

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم و جدید

مادی احوال بدلتے رہتے ہیں سطحی سے تغیّر و تبدّل ہوتے رہتے ہیں - تہذیب و تمدّن میں ارتقا ہوتا رہتا ہے لیکن فطرتِ انسانی کے مُسلّمات اور فطرتِ انسانی کی بدیہیات غیر متبدّل ہیں - وہ ETERNAL ہیں دائم و قائم ہیں مغربی فلاسفہ میں سے میں KANT کا حوالہ دونگا کہ اُس نے پہلے کتاب لکھی جس کا نام تھا - "CRITIQUE OF PURE REASON" اس میں اس نے ثابت کیا کہ وجودِ باری تعالےٰ کے لئے اہل منطق نے جتنے دلائل فراہم کئے ہیں، ان کو خود منطق ہی کاٹ دیتی ہے - ان میں سے کوئی دلیل منطق کی حجّت SCRUTINY کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس کے سامنے STAND نہیں کر سکتی - لیکن اس کے بعد پھر اُس نے دوسری کتاب لکھی CRITIQUE OF PRACTICAL REASON اس میں اُس نے یہ بات پورے شد و مد کے ساتھ پیش کی ہے کہ انسانی اخلاق کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک کہ وہ اللّٰہ کو نہ مانے - اس کے بغیر اخلاقیات کے لئے کوئی اساس ممکن نہیں — لہٰذا انسان کو اگر اخلاقی رویہ اختیار کرنا ہے تو اُسے اللّٰہ کو ماننا ہوگا - آخرت کے حساب کو اُسے تسلیم کرنا ہوگا - اس کے بغیر اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں - اس کے بغیر اُسے اخلاقی تشخص حاصل ہی نہیں ہو سکتا - — یہ ہے وہ بات جو یہاں سمجھئے کہ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ - یہ دو ایمانیات، ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ - وہ ہیں جو نیکی کے لئے، خیر کے لئے، بھلائی کے لئے MOTIVATING FORCE یعنی قوتِ محرکہ فراہم کرتی ہیں - اس لئے نیک بنو- اس لئے اچھے کام کرو کہ اللہ کو نیک لوگ پسند ہیں - اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ - جو خیر کرنے والے ہیں - بھلائی کرنے والے ہیں - جو خادم خلق ہیں - اللہ ان سے محبت کرتا ہے تو ایمان باللہ در استحضار باری تعالےٰ، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش، یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ - وہ لوگ جو صرف اللہ کی رضا کے جویا ہیں - انکو ایک بہت مثبت قوت محرکہ خیر کے لئے، بھلائی کے لئے، خدمت خلق کے لئے، نیکی کے لئے ملتی ہے کہ جس کا منبع اور سرچشمہ ہے ایمان باللہ — میں یہ عرض کرونگا کہ یہ مثبت قوت محرکہ ہے - یہ محبت کا جذبہ ہے - لیکن آپ کو معلوم ہے کہ سب انسان عقل وشعور (LEVEL OF CONSCIOUSNESS) کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں - شعور اور ذہنی سطحیں مختلف ہیں - ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو محبت کے رمز آشنا نہیں ہوتے - ان کے لئے ضرورت ہے کسی اور قوت محرکہ کی اور وہ قوت محرکہ ایمان بالآخرہ کا ہے۔ ACCOUNTABILITY سے ہے - ایک دن ہے کہ جس دن محاسبہ ہوگا - تمہیں ایک ایک چیز کی جوابدہی کرنی پڑے گی - اس خوفِ آخرت کو ایمان باللہ کے مقابلے میں آپ چاہیں تو کہہ لیں کہ یہ منفی قوت محرکہ ہے - اس کی بنیاد محاسبہ اُخروی کے خوف پر ہے -

انسان کا جو عمل ان دو محرکات پر مبنی نہ ہو وہ چاہے کتنا ہی بڑے سے بڑا نیکی کا کام نظر آئے از روئے قرآن وحدیث وہ کام نیکی کا کام نہیں ہے - اس میں کوئی نہ کوئی دنیوی غرض پوشیدہ ہوتی ہے - جبکہ تاکیدی ہدایت

یہ ہے کہ نیکی کو کاروبار نہ بنا لینا - نیکی سے دنیوی منفعت کو مدنظر مت رکھنا۔
نیکی کا کوئی فائدہ GAIN اس دنیا میں حاصل کرنے کی
نیت نہ رکھنا - ایسا کرو گے - تو یہ نیت وارادہ اور اس مقصد کے لئے
نیکی کے کام سارے کے سارے کام ازروئے قرآن باطل ہو جائیں گے - اسی کو ہم اصطلاح
دینی میں کہتے ہیں کہ کوئی نیکی بغیر خلوص اور اخلاص کے اللہ تعالےٰ کی
جناب میں قبول نہیں - اس پر اسلام نے اتنا زور دیا ہے کہ بعض
احادیث شریفہ تو ایسی ایسی ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسان لرز اٹھے سب سے
جامع حدیث تو وہ ہے جس کے راوی جناب عمر فاروقؓ ہیں اور اکثر
محدثین نے جو احادیث نبوی کے مجموعے مرتب کئے ہیں - ان کا آغاز
ہی اسی حدیث سے کیا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما
الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ مانوىٰ " اعمال کا
دارو مدار، نیکیوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے - اور انسان کو وہی کچھ
ملے گا جسکی اُس نے نیت کی ہو "۔ تو یہ ہے دونوں اعتبارات سے ایمان
باللہ اور ایمان بالآخرہ کا تعلق نیکی کی بحث سے - بقیہ جو تین ایمانیات
ہیں یعنی ملائکہ پر ایمان کتابوں پر ایمان اور نبیوں پر ایمان تو ان تینوں
کو بریکٹ (BRACKET) کر لیجئے - انکا حاصل ہو گا ایمان
بالرسالت - ملائکہ ذریعہ بنتے ہیں وحی لانے کا نبیوں اور رسولوں تک۔
اُس وحی کا ریکارڈ ہے کتابوں کی شکل میں ہے جن پر وہ وحی نازل ہوئی،
وہ انبیاء اور رسل ہیں - لہذا تینوں کو جمع کیجئے تو یہ ایمان بالرسالت
ہے - اس کا تعلق نیکی کی اس بحث کے ساتھ کیا ہے؟ اسکو بھی سمجھ
لیجئے -

دیکھئے جس طرح انسان میں دوسرے PASSIONS اور
جذبات ہوتے ہیں اور جذبات کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ اندھے

ہوتے ہیں اُن میں حدود سے تجاوز کا رجحان اور داعیہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح نیکی بھی ایک جذبہ ہے۔ اس کا خطرہ موجود ہے کہ کسی وقت یہ نیکی کا جذبہ مشتعل ہو کر حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے اور نتیجۃً نیکی سے بدی ظہور میں آجائے۔ مثلاً ایک شخص پر نیکی کا اتنا غلبہ ہوا کہ اُس نے دنیا کو چھوڑ دیا۔ پہاڑوں کی کھوہ میں جا کر دُھونی جمائی۔ بس ربّ سے لَو لگانی ہے۔ رہبانیت کا نظام اسی نیکی کے جذبے کے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کی وجہ سے وجود میں آیا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ فطرتِ انسانی میں جو داعیات ہیں ان سے دھینگا مشتی نہیں کی جا سکتی۔ بسا اوقات فطرتِ انسان کو پچھاڑ دیتی ہے۔ اس کا ردِّ عمل ظاہر ہوتا ہے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک نمونہ، ایک ماڈل، ایک FRAME OF REFERANCE نیکی کی بحث میں ہمارے سامنے رہے۔ جس میں تمام نیکی کے اعمال ایک توازن اور اعتدال میں سموئے ہوئے مل جائیں۔ ہم اُسی نمونے کو سامنے رکھیں۔ اُسی کو اپنی کسوٹی سمجھیں۔ ہر عمل کے بارے میں اُسے کریں۔ کہ یہ عمل اُس معیار میں اُس نمونے میں کتنا ہے اور دوسرے اعمال کے ساتھ اس کا تناسب کیا ہے! یہ ہے وہ ضرورت جو ایمان بالرسالت سے پوری ہوتی ہے۔ وہ اُسوۂ حسنہ اور کاملہ، وہ ہے جو ہمیں انبیاء و رسلؑ کی زندگیوں میں ملتا ہے اور اس مقدس جماعت میں کامل ترین اور افضل ترین ہیں جناب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ایک اُسوۂ حسنہ اور ایک کامل نمونہ یعنی تمام نیکیاں، تمام بھلائیاں، تمام خیرات، تمام حسنات ایک شخص واحد میں معتدل، متوازن اور جامعیت کے ساتھ اگر دیکھنی ہوں تو نمونہ اور کسوٹی ہیں، جناب محمد رسُول اللہ

صلّے اللہ علیہ وسلم - اس طرح ایمان کے ان تینوں اجزاء کا بڑا گہرا تعلق ہے فلسفۂ اخلاق کے ساتھ - نیکی کی جڑ اور بنیاد سے متعلق جو مباحث ہیں اُن کے ضمن میں یہاں ایمان کا ذکر آ رہا ہے - اسے یہاں محدود مذہبی معنی اور تصوّر کے ساتھ محض برسبیل تذکرہ یا تبرّک نہ سمجھئے -

آج ہم اپنی گفتگو کو یہیں تک محدود رکھیں گے - مظاہر اور اعمال میں اس ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت کے ساتھ نیکی کا اظہار کس طرح ہوتا ہے اُس پر ان شاءاللہ آئندہ نشست کے درس میں گفتگو ہوگی - اب آج کے درس سے متعلق جو سوالات ہوں وہ آپ حضرات پیش کریں -

---

سوال: ڈاکٹر صاحب کیا اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اصل اہمیت ایمان کی ہے اور اعمال کی حیثیت ثانوی ہے -

جواب: یہ ترتیب تو ہمارے سامنے آتی ہے - لیکن آپ اسکو کسی لفظ سے تعبیر کریں گے - یا کسی اولیّت و ثانویت میں تقسیم کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ ہم سے غلطی ہو جائے - اصل اور ثانوی یہ ایک انداز تعبیر ہے - ایک انداز تعبیر یہ ہے کہ یہ ایمانیات نیکی کی جڑ ہیں اور اس درخت کے برگ و بار نیک اعمال ہیں جن کا ذکر اگلی نشست میں تفصیل سے آئیگا - اب ظاہر بات ہے کہ جڑ کے بغیر درخت کا تصوّر نہیں تو نسبتیں تو ہم قائم کرتے ہیں - قرآن مجید کو معروضی OBJECTIVELY طور پر سامنے رکھیئے تو معلوم ہوگا کہ نیکی کے لئے شرط اولین ایمان ہے - جیسے درخت کے لئے اہم ترین چیز اسکی جڑ ہے جس کے ذریعے وہ زمین سے غذا حاصل کرتا ہے -

سوال: ڈاکٹر صاحب آپ نے گفتگو میں فرمایا کہ جو نیکی ہے اور اعمال

جو ہیں انکا دارو مدار نیتوں پہ ہوتا ہے ۔ یعنی اگر ایک شخص نے ایک اچھا عمل کیا لیکن اگر اسکے پیچھے کوئی بری نیت تھی تو اس کا عمل جو ہے وہ برا ہو گا اور اس کا نتیجہ بھی برا نکلے گا تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان ایک برا عمل کرے جس میں اسکی نیت درست ہو ۔ نیت اچھے عمل کی ہو اور اس کو اس کا اجر ملے ۔ ؟

جواب : اصل میں حدیث کے الفاظ جو آتے ہیں وہ "اعمال" ہیں ۔ اعمال سے مراد وہاں پہ نیکی کے اعمال ہیں ۔ افعال کا لفظ آتا تو شاید وہ دونوں کا احاطہ اپنے اندر کر لیتا لیکن ایک معاملہ کسی انسان کی نیت کا اللہ کے ساتھ ہے ۔ ہم جو حکم لگائیں گے اس پہ برائی ہی کا حکم لگائیں گے ۔ اس لئے کہ ہم دنیا میں صرف ظاہر پہ ہی فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ ہمارا جو حکم لگے گا وہ ظاہر کی بنیاد پہ لگے گا ۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص کسی ایسے مخمصے میں ہو ۔ کسی ایسی مجبوری میں ہو کہ جس سے نکلنا اس کے لئے قطعاً ناممکن ہو اور اللہ کے علم میں وہ بات ہو تو اسکے لئے رعایت ہو سکتی ہے ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب اسلام میں رہبانیت کا کیا تصور ہے ۔ ؟

جواب : رہبانیت درحقیقت نیکی کے ایک جذبے کے حدِ اعتدال سے تجاوز کا نام ہے ۔ چنانچہ میں ایک حدیث بھی اس ضمن میں آپ کو سنا دیتا ہوں وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے تین اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی کے دوران ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی عبادات کے بارے میں معلوم کیا کہ آپؐ رات کو نماز کتنی پڑھتے ہیں ۔ مہینے میں نفلی روزے کتنے رکھتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی اسمیں تصنع کا کوئی شائبہ نہیں تھا ۔

ازواج مطہرات نے بھی کسی بات میں مبالغہ نہیں کیا۔ جو صحیح صحیح بات تھی وہ بتا دی۔ اُسے انہوں نے اپنے اندازے میں کچھ کم سمجھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ آپؐ سے تو کسی خطا کا صدور ممکن ہی نہیں تو آپکو تو اتنی عبادت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی بھی جو آپ کر رہے ہیں، بہت ہے لیکن یہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ ایک نے کہا کہ میں پوری رات نماز پڑھونگا۔ اپنی کمر بستر سے نہیں لگاؤنگا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا کبھی ناغہ نہیں کرونگا۔ تیسرے نے کہا کہ میں شادی بیاہ کا کھکیڑ مول نہیں لونگا۔ اس سے تو پھر اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں میں تو ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمول کے خلاف ناراض ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "مَنْ رَغِبَ عن سُنّتی فلیس مِنی" کان کھول کر سُن لو۔ چاہے کتنے ہی نیکی کے جذبے کے تحت ہو لیکن جس نے اگر میرے طریقے اور میری سنت کو چھوڑ دیا اور اس کے برعکس روش اختیار کی تو جان لو کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں" تو اس طرح وہ جو معیار کامل نیکی کے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو مدنظر رکھ کر اپنے تمام جذبات اور احساسات کو اُس کسوٹی پر پرکھتے رہنا یہ بہت ضروری ہے ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ نیکی کا جذبہ ہی کبھی مشتعل ہو کر ایسے راستے کو اختیار کر لے کہ جس کا نتیجہ بدی کی صورت میں نکلنے والا ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس آیہ مبارکہ کا صحیح فہم عطا فرمائے اور جو اصل روح نیکی ہے یعنی ایمان اللہ پر۔ ایمان آخرت پر۔ ایمان رسالت پر اُس میں سے ہمیں حظِ وافر عطا فرمائے۔

وآخرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصوّر

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ۵ ؍ اور ۱۲ ؍ نومبر ۸۳ء کے دو جمعوں میں مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں "اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور" کے موضوع پر مسلسل خطابات فرمائے تھے، جو کیسٹوں سے منتقل کر کے ماہنامہ "میثاق" کے فروری تا جون ۸۴ء کے شماروں میں بالاقساط اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ۱۱ ؍ نومبر ۸۲ء جمعہ ہی کو بعد نماز مغرب جناح ہال لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقریب کے ضمن میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ جس کے صدر جناب مولانا سید وصی مظہر ندوی مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ حیدرآباد اور میئر بلدیہ حیدرآباد اور جس کے مہمانِ خصوصی جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مندرجہ بالا موضوع پر جو خطاب فرمایا تھا، اسے کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے (ادارہ)

ترتیب و تسوید : (شیخ) جمیل الرحمٰن

الحمد للّٰہِ وکفیٰ والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ خصُوصًا علیٰ اوّلھم وخاتم النّبیّین محمدنِ الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ــــ امّا بعد

فقال اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ فی سورۃ الحدید

أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَأْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ۚ إِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الشُّوْرٰی:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ۔

صدق اللّٰہ مولانا العظیم۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

محترم صدرِ مجلس، محترم مہمانِ خصوصی، علمائے کرام اور محترم حاضرین!

میری آج کی گفتگو اصل میں ایک سلسلہ تقاریر کی تیسری کڑی ہے۔ میں آج کے جمعہ میں اور اس سے قبل کے جمعہ میں "اصلاحِ معاشرہ" کے موضوع پر مسجد دارالسلام میں اپنے کچھ خیالات ظاہر کر چکا ہوں جن میں میں نے عرض کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرہ کا جو قرآنی پروگرام میرے سامنے آتا ہے۔ اس کی تین سطحیں ہیں۔ ایک اس کی جڑ اور بنیاد ہے۔ جسے میں نے پچھلی تقاریر میں "پیڑ" سے تعبیر کیا تھا۔ ایک اس کا ذروۂ سنام یعنی چوٹی ہے جسے میں نے سابقہ گفتگوؤں میں سر سے تعبیر کیا تھا۔ اور ایک اس کی درمیانی سطح ہے جس کو میں نے دھڑ قرار دیا تھا۔ اس کی جڑ اور بنیاد تعمیرِ سیرت و کردار کا پروگرام ہے۔ میں اس ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ بات لوگوں کو معلوم نہیں کہ خیر کیا ہے، شر کیا ہے۔

انسان جانتا نہ ہو کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اصل مسئلہ وہی ہے، جسے مرزا غالب نے اپنے اس شعر میں بیان کیا کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اِس طبیعت کو اِدھر لانے کی اصل سبیل کیا ہے، اس کی شکل کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اصل ضرورت ایک مضبوط قوتِ ارادی کی ہے۔ اصل ضرورت تربیتِ ارادہ کی ہے اور یہی وہ بات ہے جسے علامہ اقبال نے تربیت یا تعمیرِ خودی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس مقصد کے لیے درحقیقت انسان کے جذبے کے درست ہونے کی ضرورت ہے اور انسان کے بنیادی جذبات دو ہیں، ایک محبت، دوسرا خوف۔ پہلے کو مثبت جذبہ اور دوسرے کو منفی جذبہ کہا جاسکتا ہے۔ دنیا کے دوسرے نظاموں اور معاشروں میں محبت کا جذبہ کہیں وطن کی محبت، کہیں قوم کی محبت، کہیں نسل کی محبت، کہیں زبان کی محبت، کہیں کسی شخصیت کی محبت پر استوار ہوتا ہے اور ان محبتوں کی بنیاد پر سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام نے جو بلند ترین محبتیں عطا کی ہیں وہ ہیں اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے گذشتہ تقاریر میں عرض کیا تھا کہ اصل میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم انسانی فکر و نظر کی مقرر کردہ محبتوں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ محبتوں، دونوں سے تہی دست اور تہی دامن ہیں۔ دونوں سے خالی ہیں۔ اگر وطن، قوم، نسل، زبان، یا کسی شخصیت کی محبت ہوتی تو کم سے کم دنیا میں ایک باوقار زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں کوئی بنیاد مل جاتی۔ لیکن یہ محبتیں ہمارے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ ہمارا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے، اس میں ان محبتوں کی کوئی بنیاد اور کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا تھا کہ ؏

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہم زمین کے ساتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ ہمارا ذہن اور ہمارا مزاج وطن پرستی، قوم پرستی، نسل پرستی، زبان پرستی، شخصیت پرستی سے قطعی مناسبت نہیں رکھتا، ان سے بہت بعید ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس یہ محبتیں بھی نہیں اور جو محبتیں ہونی چاہئیں تھیں یعنی اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت۔ بدقسمتی سے ہم ان سے بھی محروم

اور ہتی دامن ہیں تو ہم درحقیقت خلا میں ہیں کہ ہمارے نیچے وہ زمین ہی موجود نہیں ہے جس پر ایک قومی سیرت و کردار کی نیو پڑ سکے۔

مَیں نے عرض کیا تھا کہ قوم، وطن، نسل، زبان اور شخصیت سے ایک بلند تر محبت بھی انسانی ذہن و فکر نے اختراع کی ہے اور وہ ہے کسی نظریہ (EALOGY) کی محبت، کسی نظام کی محبت — جس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ محبت دراصل انسان کی محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ یعنی کسی نظامِ عدل کو قائم کرنے کے لیے کسی معاشرے سے استحصال ختم کرنے کے لیے کوئی آئیڈیالوجی اور کوئی نظام کسی کے دل میں کھُپ گیا ہے تو ایسے شخص کے دل میں اس نظام کو قائم کرنے کے لیے ایثار، قربانی، جدوجہد اور کشمکش کا بے پایاں جذبہ ابھرتا ہے۔ لہٰذا کسی نظریے اور کسی نظام کی محبت میں بھی سیرت و کردار کی تعمیر کی تاثیر موجود ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کی محبت دی گئی ہے۔ مَیں نے جمعوں کی تقاریر میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ سنائی تھی کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ
اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

ان تین محبتوں یعنی اللہ کی محبت، اس تعالٰے کے رسول کی محبت اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت پر اگر علائقِ دنیوی اور سامانِ دنیا کی آٹھ محبتیں غالب آگئیں یعنی باپ بیٹے، بھائی، بیویوں اور برادری کی محبتیں — یہ پانچ محبتیں علائقِ دنیا، رشتہ داری سے متعلق ہیں جن کو علامہ اقبال نے رشتہ و پیوند، سے تعبیر کیا ہے۔ اور مال، تجارت اور مکانات کی یہ تین محبتیں سامان اور متاعِ دنیوی سے متعلق تو قرآن کریم کہتا ہے جا ؤ دفع ہو جاؤ اور انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سُنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

لہٰذا اسلام نے یہ تین محبتیں تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے مثبت جذبے کی اساسات کے طور پر عنایت کی ہیں اور آخرت کا خوف منفی جذبے کے طور پر دیا ہے۔ یعنی محاسبہ اُخروی اور اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے لیے کھڑے ہونے کا خوف: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی o فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی o پس اسلام نے تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے دو بنیادیں انسان کو دی ہیں۔ پہلی مثبت بنیاد محبت کی بنیاد ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت —— جو درحقیقت میری آج کی تقریر کا اہم موضوع ہے۔ دوسری بنیاد خوف کی بنیاد ہے اور وہ ہے محاسبۂ اخروی کا خوف۔ یہی اساسات انسان کے ارادے کو تقویت فراہم کرتی ہیں۔

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ میں نے گذشتہ جمعوں میں عرض کیا تھا کہ ہمارے یہاں سیرت سازی کا جو نظام ایک طویل عرصے تک قائم اور جاری رہا ہے لیکن وہ بھی اب کافی مضمحل ہو چکا ہے اور شاید اس دور میں تصوّف کے لیے بھی کچھ نئی اساسات کی ضرورت ہے۔ بہر حال وہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس وقت جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ نظام ایک طویل عرصہ تک رہا اور مؤثر و کامیاب رہا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس نظام کا نقطۂ آغاز لفظ ارادہ ہے۔ جس سے اسمِ فاعل بنتا ہے مرید —— یعنی وہ شخص جو ارادہ کر لیتا ہے اور اصل میں اس ارادے کی تقویت اور پختگی کے لیے وہ کسی سلسلۂ تصوف میں داخل ہوتا ہے اور وہاں سے کسبِ فیض کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کے ارادے کی تقویت اس کی سیرت کی تعمیر میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

درمیانی سطح کے متعلق پچھلی تقاریر میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تعزیر و سزا، امر و نواہی اور احتساب سے بھی دنیا کے دوسرے نظاموں اور معاشروں میں خوف کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ خوف، مواخذہ و محاسبہ اخروی سے آزاد ہو تو بہت سے چور دروازے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور تعزیرات کے اس نظام سے نہ صحیح عدل و انصاف میسّر آتا ہے اور نہ ہی معاشرے کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے CORRUPTION اس کو بڑی حد تک غیر مؤثر بنا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ چیز

بالکل اظہر من الشمس ہے اور ہم میں سے اکثر و بیشتر کو اس کا علم بھی ہے اور تجربہ بھی ہے لہٰذا مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اسلام نے دنیوی طور پر حدود و تعزیرات میں شدید ترین سزائیں رکھی ہیں تاکہ اگر ایک کو وہ سزا مل جائے تو ہزاروں کے چھکے چھوٹ جائیں۔ یہ بھی یقیناً اسلامی نظام کا ایک اہم جزو اور حصّہ ہے۔ لیکن اسلام اپنے ماننے والوں کے قلوب و اذہان میں اصل خوف آخرت کا خوف جاگزیں کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے میں اپنی پچھلی تقاریر میں قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کر چکا ہوں۔ دنیوی نظام حدود و تعزیرات تو معاشرے میں حقیقی امن و امان کی فضا قائم رکھنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے درحقیقت اس طرح ایک اضافی خوف معاشرے کو دیا گیا ہے ورنہ حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے اصل خوف، خوفِ آخرت ہی ہے۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جن پر میں دو جمعوں میں تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں۔ آج مجھے جس موضوع پر جو کچھ عرض کرنا ہے اس سے ربط قائم کرنے کے لیے بطور تمہید و تذکیر میں نے ان باتوں کا اعادہ کیا ہے — مجھے آج ذروۂ سنام یعنی چوٹی والی سطح پر اظہارِ خیال کرنا ہے — وہ چوٹی والی بات یہ ہے کہ ایک معاشرے میں جو نظام اجتماعی قائم ہے وہ اگر انصاف و عدل اور قسط پر قائم نہیں ہے تو اس معاشرے میں اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی شکل پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ ناانصافی، ظلم اور عدوان انسان میں منفی جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس سے دلوں میں کدورت اور نفرت وجود میں آتی ہے۔ اس سے عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں مثبت اور تعمیری فضا موجود نہیں ہوتی کہ جس کے ذریعے سے تعمیر سیرت و کردار کے لائحہ عمل کو غذا حاصل ہوسکے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی پودا زمین سے سر نکالے۔ جہاں بیج کا صالح ہونا اور زمین کا زرخیز ہونا ضروری ہے وہاں اس کو وہ فضا بھی لازماً درکار ہے جو اس کو غذا دے اور اس کی نشو و نما کے لیے سازگار ہو اگر یہ فضا نہیں ہے تو پودا پروان چڑھنے کے بجائے مرجھا جائے گا۔ بالکل یہی مثال اس نظام کی ہے جو بالفعل قائم و نافذ ہے۔ اگر وہ نظام انصاف اور عدل و قسط پر مبنی نظام نہیں

ہے تو وہ نفرت کو جنم دے گا۔اس سے منفی احساسات وجود میں آئیں گے۔ اس سے عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اس سے صالح اور تعمیری جذبات کسی طور پر بھی نشو و نما نہ پا سکیں گے اور پروان نہ چڑھ سکیں گے۔

ذرا ذہن میں سورہ المائدہ کی وہ آیت لایئے جو خمر (شراب) اور میسر (قمار۔جوا) کے بارے میں آخری آیت ہے: اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ۔۔ یہ شیطٰن کے ہتھکنڈوں میں سے ہے کہ وہ تمہارے درمیان کدورت و نفرت اور عداوت و انتقام کے جذبات پیدا کرے۔ شیطان یہ کام شراب اور جوئے کے ذریعے بھی لیتا ہے اور غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ نظامِ حکومت جس میں غیر منصفانہ نظامِ معیشت، اونچ نیچ اور استحصال موجود ہو۔ اس معاشرے میں ان وجوہ کی بنا پر بھی بہت بڑے پیمانے پر شیطان اکثریت کے ذہنوں میں محرومیوں کا احساس اور نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان تمام اصلاحی کوششوں پر پانی پھیر دیتا اور ان کو ملیا میٹ کرا دیتا ہے جو محض دھڑ کی اصلاح کے لیے کی جا رہی ہوں اور جن میں نہ پیر کی طرف کوئی توجہ ہو اور نہ سر کی طرف۔

موجودہ دور میں وعظ صرف اس وجہ سے غیر مؤثر نہیں ہو گئے کہ واعظوں میں الا ماشاء اللہ کردار نہیں رہا۔۔ یہ بھی ایک سبب ہے لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اگر وعظ و نصیحت سے کہیں کوئی جذبہ اُبھرتا بھی ہے تو ماحول اس کو پنپنے نہیں دیتا۔ اس لیے کہ قدم قدم پر ظلم ہے۔ قدم قدم پر تعدّی ہے قدم قدم پر استحصال ہے۔ قدم قدم پر ناانصافی ہے۔ رشوت ہے، جابرانہ رویّہ اور سلوک ہے۔۔ پورے ماحول پر گھٹن کی فضا طاری ہے۔ تقریبًا پورا نظام عدل و قسط سے تہی دامن اور تہی دست ہے۔ ایسے حالات میں انسان میں جو ردِّ عمل پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کی جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس کو علامہ اقبال نے ایک شعر میں یوں تعبیر کیا ہے ؎

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں ۔۔۔ اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

اس لیے کہ وہ ماحول اور نظام اسے غذا نہیں دے رہا ہوتا۔ اس ظلم و عدوان کے

نتیجے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ معاشرہ منقسم ہوجایا کرتا ہے۔ تمیز بندہ و آقا۔ ظالم و مظلوم۔ HAVES اور HAVES NOT کے طبقات بالقوہ وجود میں آجاتے ہیں۔ ایک غیر منصفانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف طبقات کے لیے یہ مختلف اصطلاحات ہیں لیکن ذہن میں رکھیے کہ اس مفہوم کے لیے قرآن حکیم کی اپنی اصطلاحات ہیں اور وہ ہیں مستکبرین اور مستضعفین۔ یہ دو طبقات جس معاشرے میں وجود میں آجائیں، چاہے وہ کسی زمانے سے آئے ہوں، کسی راستے سے آئے ہوں۔ کسی سبب سے آئے ہوں۔ خواہ وہ سیاسی محرومی اور دباؤ (POLITICAL REPRESSION) کی وجہ سے آئے ہوں۔ خواہ وہ حریت و آزادی کو سلب کرنے والے جبر و استبداد کے باعث آئے ہوں۔ خواہ معاشی استحصال (ECONOMIC EXPLOITATION) کے راستے سے یہ صورت پیدا ہوئی ہو۔ خواہ وہ سماجی اور معاشرتی اونچ نیچ اور ناروا امتیازات (DISCRIMINATION) کی وجہ سے وجود میں آئے ہوں اور معیارات یہ بن گئے ہوں کہ سیدزادہ بہرحال اونچا ہے خواہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو اور دوسرے مصلی ہیں۔ کم تر ہیں خواہ وہ سیرت کے لحاظ سے کتنے بلند کیوں نہ ہوں۔ یہ برہمن اور شودر کی تقسیم یا یا اعلیٰ و ادنیٰ النسل کی تقسیم۔ ان تمام اسباب کی بنا پر لازماً معاشرے میں طبقات وجود میں آتے ہیں اور پھر یہ طبقات، طبقات در طبقات میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے طبقاتی تقسیم کی رائج وقت بیشتر اصطلاحات آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ ان کے مقابلے میں قرآن مجید کی ان دو اصطلاحات "مستکبرین اور مستضعفین" کو پیش نظر رکھیے تو قرآن کا یہ اعجاز سامنے آئے گا کہ ان دونوں اصطلاحات کی جامعیت اور گھمبیرتا یہ ہے کہ یہ رائج الوقت تمام اصطلاحات کا احاطہ کر رہی ہیں۔ ان میں HAVES AND HAVES NOT کا تصور بھی موجود ہے۔ ان میں تمیز بندہ و آقا کا تصور بھی موجود ہے۔ ان میں ظالم اور مظلوم کا تصور بھی موجود ہے ——— چنانچہ اب ذرا سنیے سورۃ القصص میں ارشاد ہوتا ہے :۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ۔ بلاشبہ فرعون نے زمین

میں بڑی سرکشی اختیار کی تھی۔ اس نے زمین میں بسنے والوں کو طبقات اور گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ایک گروہ ایک طبقے ایک جماعت کو ضعیف بنا دیا تھا۔ اسے دبا دیا تھا۔

ظالمانہ اور غیر منصفانہ نظام کا ایک نتیجہ تو وہ نکلتا ہے جس کی طرف بڑی شرح و بسط کے ساتھ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رہنمائی کی کہ انسانوں کی ایک عظیم اکثریت ڈھور اور ڈنگر بن جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت جانوروں اور حیوانوں کی سطح تک گر جاتی ہے، فرمایا: لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ "ان کے دل ہیں مگر اُن سے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں لیکن اُن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ بالکل چوپاؤں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ اور گئے گزرے ہیں۔" اور واقعہ ہے کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے ظلم و عدوان اور مستبدانہ و جابرانہ نظام کا جو انسان کی خودی کے احساس اور عزّتِ نفس کو کچل دینے والی شے ہے۔ غیر عادلانہ و غیر منصفانہ نظام، ظلم و تعدّی والا نظام EXPLOITATION AND REPRESSION والا نظام آدمی میں "انسان" ہونے کے احساس و شعور کو مار دینے والی چیز ہے جو اس کی سیرت کی تعمیر کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ "انسان" ہونے کا شعور و احساس نہیں ہے تو اسے قرآن حکیم نے اس دنیا کی بہت بڑی تقدیرِ بد سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ "اور ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو اپنے آپ سے غافل کر دیا" یعنی وہ اپنے "انسان" ہونے کے ادراک سے محروم ہو گئے۔ ظاہر بات ہے کہ اپنی عظمت سے غافل انسان معاشرے میں ترفّع کیسے حاصل کرے گا۔! اس میں بلندی کی طرف بڑھنے کا جذبہ کیسے پیدا ہو گا۔! اسی کو شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنی کتاب فلسفۂ الکتشافات میں بہت صحیح لکھا ہے کہ ظلم و تعدّی پر مبنی نظام کے تحت رہنے والے

اکثر لوگ بالکل ڈھور ڈنگر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ احساسات اعلیٰ جذبات کے لیے سرے سے کوئی امکان اور گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

اس سے بھی آگے جو بات آتی ہے، جس کے لیے میں آگے چل کر قرآن مجید سے استشہاد کروں گا، وہ یہ ہے کہ استحصالی طبقات، وہ لوگ جنہوں نے اپنی خدائی کا تخت جمایا ہوتا ہے، وہ لوگ جو معاشرے کو جونک کی طرح چوس رہے ہوتے ہیں اور عوام کی اکثریت کا خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو عوام الناس کو طرح طرح کے بہلاوے دے کر غافل کیے رکھتے ہیں۔ ان کے لیے طرح طرح کے مشغلے تلاش کرتے ہیں۔ وہ ذرائع ابلاغ سے لوگوں کے سفلی جذبات کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ انہیں لہو ولعب میں مشغول رکھتے ہیں۔ تقریباً اس آیت کے مصداق وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو خریدتے (اور بیچتے) ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا اور بچلا دیں۔ اس کے (انجامِ بد) کو سمجھے بغیر اور اللہ کے راستے کو ہنسی مذاق ٹھہرائیں۔" اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ٥ "یہ لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔" اس استحصالی گروہ کی سر توڑ کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگ کھیل تماشوں میں ہی گم، مگن اور مست رہیں۔ وہ سینما ہوں، ٹیلی ویژن کے ڈرامے اور رانگ ورنگ کے پروگرام ہوں، حتیٰ کہ مختلف موضوعات کے اشتہارات ہوں۔ وہ رقص و سرود کی محفلیں ہوں وہ آرٹ کونسلیں ہوں، ذرائع ابلاغ پر تفریح کے نام سے لہو الحدیث کا جو طوفان آیا ہوا ہے، یہ سب کا سب دراصل اس لیے ہے کہ عوام الناس کو ان کے حقیقی مسائل سے روگرداں رکھا جائے۔ ان میں اپنے حقوق و فرائض کا ادراک و شعور پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ دیکھ اور سمجھ نہ پائیں کہ وہ کس استحصالی نظام میں بحیثیت کولہو کے بیل کی طرح جتے ہوئے ہیں۔ اصل حقائق ان کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ وہ ان چیزوں سے بالکل غافل رہیں کہ معاشرے میں ہو کیا رہا ہے۔ کون کس پر ظلم کر رہا ہے! کون کس کا خون چوس رہا ہے۔ کون ان کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ یہ سارے ہتھکنڈے علامہ اقبال کے اس شعر

کے مصداق ہیں کہ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر !
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اور ؏ کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں' کے مصداق انسان کے حیوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے یہ کھلونے کہیں آرٹ کے نام پر دیئے جائیں گے، کہیں ثقافت کے نام پر دیئے جائیں گے۔ کہیں مساواتِ مرد وزن کے دلفریب نظریے کی آڑ لے کر عورت کو اشتہاری اور بازاری جنس اور کھلونا بنایا جائے گا۔ چادر و چہار دیواری کا نام لے لے کر اسی کے تقدس کو پامال کیا جائے گا۔ لہو و لعب اور لغو و عبث مشاغل کے لیے نئے نئے دل فریب و دل آویز نام اور لیبل ایجاد کیے جائیں گے۔ یہ سب اس لیے کہ عوام الناس کی عظیم ترین اکثریت کو انہی میں مست اور مگن رکھا جائے وہ کسی وقت بھی اصل حقائق کی طرف متوجہ ہونے ہی نہ پائیں۔

یہی وہ بات ہے جس کے لیے میں نے آگے چل کر قرآن مجید سے استشہاد کا ذکر کیا تھا۔ قرآن حکیم میں سورہ سبا میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے : یَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ[1]۔ "یہ مستضعفین، یہ دبائے اور غافل رکھے ہوئے عوام قیامت کے دن مستکبرین سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو یقیناً ہم سیدھی راہ پر آجاتے —— ہم بھی ایمان کی راہ' خیر کی راہ' اور عملِ صالح کی راہ پر گامزن ہوتے۔ یہ تم ہو جنہوں نے ہمیں روکا ہے۔ یہ تم ہو جنہوں نے ہمیں مست اور مگن کیے رکھا ہے۔' وہ مستکبرین کہیں گے۔ ذرا توجہ سے ان مستکبرین کا جواب سنیئے۔ یہ اسی نوع کا جواب ہے جو مستکبرِ اعلیٰ و اوّل ابلیس لعین قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کو دے گا : وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ[2] تم پر میرا کوئی زور تو تھا نہیں۔ میں نے بس تم کو اپنے راستے کو خوش نما دکھا کر اس کی طرف تم کو بلایا تھا، اس دلفریب لذت کوش راستے کو دیکھ کر دیوانے تو تم خود بنے اور اس کی طرف لپکے۔ جرم تمہارا

---

[1] سورہ سبا آیت ۳۱ - [2] سورہ ابراہیم آیت ۲۲

اپنا ہے۔ خطا تمہاری اپنی ہے لہٰذا اب مجھے کیوں ملامت کرتے ہو۔ ملامت کرنی ہے تو اپنے آپ کو اور اپنے نفس امّارہ کو ملامت کرو۔ بالکل یہی بات وہ مستکبرین کہیں گے: قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ۔[۱] "کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی؟ بلکہ تم مجرم ذہن کے لوگ تھے، یہ تمہاری اپنی شیطنت تھی۔ یہ تمہاری اپنی خباثت تھی جس کا دنیا میں ظہور ہوا ہے" اس وقت یہ مستضعفین، یہ غافلین جواب میں کہیں گے: وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ[۲] وہ مستضعفین، وہ دبے ہوئے لوگ کہیں گے "نہیں، یہ تو شب و روز کی وہ شاطرانہ اور مکارانہ چال تھی، جس میں تم لوگوں نے ہمیں پھانس رکھا تھا۔ یہ تمہارے ہی مشورے تھے جن کے باعث ہم نے اللہ کی نازل کردہ ہدایت کی ناقدری کی اور کفرانِ نعمت کی روش اختیار کی — اور ان کھیل تماشوں اور باطل نظریات میں اُلجھ کر ہم نے ان کو اللہ کی محبت کا ہمسر ٹھہرالیا اور ہم دبے ہوئے ہونے کے باعث لہو ولعب اور باطل نظریات کے طلسم میں جو تم لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے گھڑ رکھا تھا، گرفتار ہو کر ہم اپنی راہ کھو بیٹھے"۔ میں نے اس آیت کے ترجمہ کی بجائے اس کی ترجمانی کی ہے تاکہ قیامت کے دن ان مستضعفین و مستکبرین کے مابین جو محاجہ اور مجادلہ ہو گا اس کا پس منظر اور پیش منظر واضح ہو سکے۔

دیکھئے ان آیات میں تین مرتبہ اِسْتَكْبَرُوا اور اُسْتُضْعِفُوا، یعنی مستکبرین اور مستضعفین کا جو اعادہ ہو رہا ہے، وہ اس لیے کہ یہ اصطلاحات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ اصل میں یہی وہ طبقاتی تقسیم ہے جو ایک ظلم و عدوان پر مبنی اور غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ نظام میں وجود میں آتی ہے — اور جب تک

---

[۱] سورہ سبا آیت ۳۲ [۲] سورہ سبا آیت ۳۳

اس کو ختم نہیں کیا جائے گا، جب تک مبنی بر قسط و عدل نظام قائم نہیں کیا جائے گا اصلاحِ معاشرہ کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی یا محاورتاً یوں کہہ لیجئے کہ "بیل منڈھے نہیں چڑھے گی"۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی تحریکوں اور کوششوں سے تھوڑے بہت اثرات پیدا ہو جائیں۔ نیچے نیچے کچھ خیر و فلاح اور کچھ بھلائی کے سوئے ہوئے جذبات کروٹ لیں، لیکن نتیجہ وہی نکلے گا جو علامہ اقبال کے اس شعر کے ذریعے میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں کہ ؎

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں۔
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

مستبدانہ و جابرانہ نظام اور استحصالی ماحول میں خیر و صلاح کی آرزو اوّل تو پیدا ہونی ہی مشکل اور اگر پیدا ہو جائے تو ایسے معاشرے میں وہ پھل پھول اور پنپ نہیں سکتی۔ تو اس طبقاتی تقسیم کے لیے قرآن مجید کی جو اپنی اصطلاحات "مستکبرین اور مستضعفین" ہیں ان کا اعادہ کر کے اور ٹھونک ٹھونک کر انہیں ذہنوں میں بٹھانا مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تین آیات میں ان کو تکرار و اعادہ کے ساتھ لایا گیا ہے۔

اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کے لیے نظامِ عدل و قسط کا قیام قرآن حکیم کا مرکزی حیثیت کا حامل پیغام ہے۔ نیکی کا راہبانہ تصور، نیکی کا علائقِ دنیا سے کنارہ کش ہونے اور نفس کشی کا وہ تصور جو عیسائیت بدھ مت اور ہندو دھرم میں ہے۔ نیکی کا وہ تصور جو تصوف کے نام سے خود ہمارے ہاں رائج ہو گیا ہے جو در اصل نو افلاطونی تصوف ہے۔ ان تصورات سے ہٹ کر اسلام کا تصورِ نیکی کیا ہے! اسلام میں سب سے بڑی نیکی کیا ہے۔! اسلام کا کیا ہے! وہ عروۃ الوثقٰی کون سا ہے جو نیکی کے لیے سہارا بنتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ وہ ہے نظامِ عدل و قسط کا قیام۔ چنانچہ سب سے پہلے تو خود اللہ تعالیٰ کی سورہ آل عمران میں یہ شان بیان ہوتی ہے کہ وہ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ ہے ـــ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (۱۸) اللہ نے خود

شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہی شہادت سب فرشتوں نے بھی دی ہے کہ وہ قسط پر قائم ہے۔ اللہ کی صفت ہے کہ وہ عادل ہے اور وہ عدل و قسط کا قائم کرنے اور نافذ کرنے والا ہے۔ اس میں بھی ایک اپیل ہے کہ اگر اللہ کی محبت فی الواقع کہیں دل میں پیدا ہو گئی ہو تو وہ جو فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ لہٰذا ہم پر واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی صفت کا ایک پرتو ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں۔ اس سے آگے چلیے اہلِ ایمان کے لیے سورہ المائدہ اور سورۃ النساء میں لفظی ترتیب ذرا مختلف ہے لیکن انتہائی زور کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔" اے ایمان والو! عدل و قسط کے قائم کرنے والے بنو۔" قوّام، فعّال کے وزن پر صیغہ ہے۔ مطلب ہوا کہ عدل و انصاف کو پورے اہتمام کے ساتھ، اپنی پوری توانائیوں اور قوتوں کے ساتھ قائم کرو۔ کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ اس شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ کو ایک بالکل علیحدہ بات بھی مان سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ چونکہ اللہ خود قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ہے۔

اس کے لیے شہادت یہ ہو گی کہ اس کے قسط کے نظام کو اس دنیا میں قائم کیا جائے۔ جیسے اقبال نے کہا ہے ع دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اللہ کے قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ہونے کی اہلِ ایمان کے لیے بایں طور اور بایں صورت گواہی دینا فرض ہے کہ وہ دنیا میں اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کریں۔ سورۃ المائدہ میں ذرا سی لفظی تبدیلی کے ساتھ فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ط

آپ ان دونوں کو مدِ نظر رکھیں تو یہ عجیب بات معلوم ہو گی کہ اللہ اور قسط یہ گویا ہم معنی الفاظ ہیں۔ یہ گویا مترادف الفاظ ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں کہ ان کے باہم لازم و ملزوم کا تصور تو کم از کم سامنے آجاتا ہے۔

پہلے مقام پر فرمایا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔

دوسری جگہ فرمایا: کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ط۔

اس سے آگے چلیے۔ سورہ حدید کی اس آیت پر غور کیجئے جس کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ بڑی عظیم آیت ہے بڑی اہم آیت ہے۔ بعثتِ انبیاء و رسل کی بنیادی غرض و غایت کیا ہے؟ انزالِ کتب کا مقصد کیا ہے؟ اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ایک غرض و غایت اس دنیا کے لیے ہے اور ایک غرض و غایت اُخروی ہے۔ میں اس وقت جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ بعثتِ انبیاء و رسل اور انزالِ کتب کی اس غرض و غایت اور مقصد سے متعلق ہے جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے جو سورہ الحدید کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے جو میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی اور میں اب جس کی تشریح و توضیح بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۔ "بلا شبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بیّنات کے ساتھ، روشن دلائل کے ساتھ —" بیّنات کو روشن دلائل بھی کہا جا سکتا ہے اور معجزات بھی جو رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیے گئے — بیّن عربی زبان میں واضح اور روشن چیز کو کہتے ہیں۔ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ — "اور ان کے ساتھ ہم نے اتاری کتاب اور میزان —" یہ کتاب اور میزان کس لیے اتاری! اس کی غرض و غایت اور مقصد کو آیت کے اگلے حصے میں خوب کھول کر بیان کر دیا۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ "تاکہ بنی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں۔" اس آیت کے اس مختصر سے حصے میں بعثتِ انبیاء و رسل کی غرض و غایت کا لبّ لباب آ گیا ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے تو ان کے ساتھ تین چیزیں نازل کی گئیں۔ پہلی: بیّنات، واضح اور روشن نشانیاں، یعنی معجزات، واضح اور روشن دلائل اور ہدایات — دوسری: کتاب، جس میں روشن دلائل بھی ہیں اور وہ تعلیمات بھی مذکور ہیں جو انسان کی ہدایت کے لیے درکار تھیں تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ تیسری: المیزان، یعنی وہ شریعت، وہ نظام اور وہ معیارِ حق و باطل اتارا جو ٹھیک ٹھیک تول کر یہ بتا دے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیا ہے! افکار و نظریات میں حق کیا ہے باطل کیا ہے! اخلاق اور دنیوی تمام معاملات میں افراط و تفریط کے مختلف نقطہ ہائے نظر

کی مختلف انتہاؤں کے درمیان عدل و انصاف اور قسط کی راہ کونسی ہے! میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ وہ اہم مضامین کو کم سے کم دو مرتبہ ضرور بیان کرتا ہے۔ چنانچہ کتاب اور میزان کے انزال کا ایک ذکر سورۃ الحدید میں آیا اور یہی بات ان الفاظ میں سورۃ الشوریٰ کی سترہویں آیت کی ابتداء میں فرمائی گئی: اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ط

اب غور کیجئے کہ اگر میزان نصب نہ ہو تو اس کا اتارنا معاذ اللہ عبث قرار پائے گا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ط۔ یہ میزان اگر نصب نہ ہو تو بیکار ہے۔ اگر اس میں تول کر نہ دیا جا رہا ہو، جس کو بھی کچھ دیا جا رہا ہو تو یہ ناانصافی ہے۔ اس نے فرائض و حقوق کے جو ضوابط مقرر کیے ہیں اگر وہ بالفعل نافذ نہیں تو محض ان کی تلاوت کرنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ثواب مل جائیگا لیکن اس کی غرض و غایت تو پوری نہیں ہوگی۔ کتاب اور میزان تو نازل ہی اس لیے کی گئی ہے کہ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ سورہ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی بڑی گھمبیر آیت ہے۔ اس آیت کی مکمل شرح ہے سورۃ الصف اس لیے کہ اس میں فرمایا گیا کہ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ "اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے" فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔ "اس میں جنگ کی صلاحیت ہے" ظالموں کی سرکوبی کرنے کی صلاحیت ہے، ظالموں کے سر کچلنے کی استعداد ہے۔ اور سورۃ الصف میں فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ — وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ اور اس میں لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں" مثلاً اس سے توا کڑاہی، چمٹا اور بہت سی مشینیں اور بہت سے اوزار بھی بنتے ہیں جو انسان کی تمدنی ضروریات پوری کرتے ہیں لیکن اس کی اصل قوت اسلحہ ہے۔ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔ اس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور یہ اس لیے ہے کہ: وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ط اللہ جان لینا چاہتا ہے، دیکھ لینا چاہتا ہے، جانچ لینا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وہ وفادار بندے جو اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ درآں حالیکہ

وہ اس سے غیب میں ہیں، اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ان کے سامنے نہیں ہیں۔ اس کے باوجود وہ محبت الٰہی سے سرشار ہوکر اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں جن کی وساطت سے وہ نظام نوعِ انسانی کو عطا ہوا۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ بیشک اللہ بذاتہٖ قوی اور عزیز ہے۔ یعنی اس کو تمہاری مدد کی قطعی حاجت نہیں۔ تم سے جو نصرت کا مطالبہ ہے، وہ تمہارے امتحان کے لیے ہے، جس کی بنا پر تم عدالتِ اخروی میں سرخرو ہو گے۔ یہی بات سورہ الصف میں بایں الفاظ فرمائی۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ قیامِ نظامِ عدل و قسط کے ضمن میں سورہ الحدید کی یہ آیت قرآن حکیم کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ اسی کی تشریح و توضیح کے لیے میں نے سورہ الصف کی دو آیات بھی پیش کر دی ہیں۔

ذرا اسی آیت کو آگے لے کر چلیے۔ اس آیت میں تو ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے کہ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط۔ لیکن اس کے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی انطباق (PARTICULAR APPLICATION) کے متعلق سورۃ الشوریٰ کی پندرہویں آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی ابھی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی کہ: فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ج اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ اسی (اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ) کی دعوت دیتے چلے جایئے پوری استقامت صبر و ثبات اور مصابرت کے ساتھ جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور ان (مستکبرین، معاندین، مخالفین، اور کفار و مشرکین) کی خواہشات کی پیروی اور پرواہ ہرگز نہ کیجئے۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ج ” اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برملا کہہ دیجئے کہ میرا یقین تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے “ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ” اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مابین

(نظامِ) عدل قائم کروں ۔" یعنی مجھے محض ایک واعظ نہ سمجھ لینا، محض ایک مبلّغ نہ خیال کر لینا جو ایک وعظ کہہ کے اور کچھ تبلیغ کر کے تحسین کے ڈونگرے وصول کرتا ہے اور پھر اگلی بستی کی راہ لیتا ہے ۔ اگر تم اس مغالطے میں مبتلا ہو تو اسے دور کر دو۔ چونکہ تم نے حقیقت نفس الامری کا ادراک کیا ہی نہیں ۔ میری بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین (المیزان) نظام عدل وقسط بالفعل قائم و نافذ کروں۔ مَیں اس بات پر مامور من اللہ ہوں کہ ظالم کا ہاتھ روک لوں، مظلوم کی فریاد رسی کروں ۔ نظام زندگی کو عدوان اور استحصال سے پاک صاف کروں اور وہ نظام عدل وقسط برپا کروں، جس میں جس کو جو کچھ ملے اس نظام کے تحت اور اس کے مطابق ملے ۔ اور کوئی شخص اور کوئی طبقہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے ۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا یہ تکمیلی مقصد قرآن حکیم میں ایک دوسرے اسلوب سے ایک شوشے کے تغیّر کے بغیر قرآن حکیم کی تین سورتوں، سورہ توبہ، سورہ الفتح اور سورہ الصف میں بایں الفاظ واضح فرمایا گیا ہے : هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۔ غور فرمائیے سورہ حدید کی آیت اور سورہ شوریٰ کی آیت دونوں کا جامع دمانع اسلوب کے ساتھ اس آیت مبارکہ میں ذکر آ گیا۔ بعثتِ رسول کا ذکر بھی موجود ہے "کتاب" کی جگہ "ھُدیً" کا لفظ آ گیا جو کتابِ الٰہی ہی کا ایک توصیفی نام ہے ۔ المیزان اور نظام عدل وقسط کی جگہ "دِیْنِ الْحَقِّ" کی اصطلاح آ گئی ۔ جو اس ضمن میں قرآن مجید کی جامع ترین اصطلاح ہے جس میں وہ تمام مفاہیم بھی شامل ہیں جو المیزان، اور عدل وقسط کی تشریح و توضیح میں ہمارے سامنے آئے ہیں ۔ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ اور وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۔ کے جملہ مفاہیم لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۔ میں آ گئے ۔

(جاری ہے)

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج

اور جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے (تفسیر صفحہ)

ہائے انجام اس سفینے کا
ناخدا نے جسے ڈبویا ہے

اظہارِ حق

قادیانیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

مؤلفہ:

قاری نصیر احمد غزنوی (مقیم کراچی)

انتساب

ان سلیم الفطرت لوگوں کے نام جن میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہے۔

نصیر غزنوی عفی عنہ

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

للہ الحمد کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر احمدیوں یعنی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اور آئین میں ترمیم کر دی۔

میرے نزدیک اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے احمدی حضرات جن میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہے ان کے لیے ایسی کتابیں مرتب کی جائیں، کہ جن میں ان کے اپنے ہی پیشواؤں یعنی مرزا صاحب اور ان کے صاحبزادوں کی تصانیف سے اس فرقہ کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔

مَیں نے کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب کی تحریروں ہی کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا جائے، تاکہ قاری کو مرزا صاحب کے کلام اور خیالات کا براہِ راست علم ہو سکے، اور وہ خود کسی فیصلہ پر پہنچ سکے۔

حق ظاہر کر دینا میرا کام تھا، اصلاح مخاطب اس کی فطری استعداد اور توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔ مَیں یہ ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ اس فرقہ کے تمام افراد کے دماغ، عقل اور دل انصاف سے خالی ہوں یا سب ضدی اور ہٹ دھرم ہی ہوں۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ کچھ لوگ حقیقت شناس و حقیقت پسند ضرور ہوں گے اور وہی حضرات میرے مخاطب ہیں۔

میرے خیال میں ہر شخص کسی نبی کو نبی تسلیم کرنے سے پہلے اس کی دو باتوں پر ضرور غور کرے گا۔ اولاً اس کے حالاتِ زندگی۔ ثانیاً اس کا پیش کردہ خدائی کلام۔ جو شخص بھی جناب کرشنؑ، رامچندر، مرزا غلام احمد قادیانی، رودر گوپال صاحب کی ان دونوں باتوں پر سنجیدگی سے غور کرے گا، وہ انہیں نبی ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

حاشیہ اگلے صفحے پر

مَیں مختص و مختصر مرزا صاحب کے حالاتِ زندگی اور قدرے قلیل ان کا خدائی کلام پیش کر رہا ہوں، آپ بھی پڑھ کر غور فرمائیں۔

بچپن میں ایک شعر پڑھا تھا۔ ؎

بات وہ کہیئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں   کوئی تو پہلو رہے بات بدلنے کے لیے

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اس شعر کی مکمل تصویر تھے۔ گویا شاعر نے یہ شعر مرزا صاحب ہی کے لیے کہا تھا یا پھر مرزا صاحب نے اس شعر سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ بات کچھ بھی ہو بہر حال یہ شعر ان پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ ان کے کسی بیان یا کسی بھی تحریر پر غور فرمائیں، وہ اس شعر کی مکمل تفسیر و تصویر نظر آئے گی۔ مَیں ان حضرت پر الزام و اتہام نہیں لگا رہا، کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، اسے پڑھیں اور غور فرما کر خود فیصلہ کریں، انشاء اللہ آپ کو بھی میری رائے سے متفق ہونا پڑے گا، مگر شرط یہی ہے، کہ ہر اقتباس یا ہر موضوع یا ہر سلسلہ کو غور سے پڑھیں، اور ایمانداری و نیک نیتی سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

جناب کرشن، رامچندر، مرزا غلام احمد قادیانی، رودّر گوپال صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل سیٹ (جو روحانی خزائن کے نام سے ۲۳ جلدوں پر مشتمل ہے اور جسے الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ نے شائع کیا ہے) نیز ان کے صاحبزادوں یا امتیوں کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اقتباسات میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے، کہ کسی جگہ بھی مؤلف کا اصل مفہوم و مطلب نہ بدلنے پائے۔ اگر کسی صاحب کو کہیں شک ہو تو وہ اصل کتاب سے موازنہ کر کے دیے ہوئے اقتباس کا سیاق و سباق پڑھ کر اپنا اطمینان کر سکتے ہیں ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

ؔ یعنی ایک ایسا مامور کھڑا ہوگا جسے سب نبیوں کے نام دیئے جائیں گے۔ یعنی اس کے متعلق موسیٰؑ عیسیٰؑ، کرشنؑ، رامچندرؑ اور بدھؑ سب کی پیشگوئیاں ہوں گی (تفسیر صغیر پارہ ۲۹، رکوع ۲۱، از مرزا بشیرالدین محمود صاحب خلیفہ دوم) نیز مرزا صاحب کا الہام ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ "تمام دنیا ایک رودّر گوپال (یعنی سوّروں کو مارنے والا اور گائیوں کی حفاظت کرنے والا) کا انتظار کر رہی ہے.... وہ میں ہوں" ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صہ ۲۶ مولفہ مرزا صاحب۔

قادیانیت ومرزائیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

مرزا صاحب کے خود نوشت حالات

اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ

میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضٰے اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پر دادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ عرصہ سترہ اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادا فارسی الاصل ہیں۔ کلمات الٰہیہ سے ثابت ہے کہ اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اور بیگ کا لفظ بطور خطاب کے ان کو ملا تھا

(کتاب البریہ ص $\frac{162}{144}$ ص $\frac{193}{145}$)

اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں، ۱۸۵۷ء میں سولہ کا یا سترہویں برس میں تھا

(کتاب البریہ، ص $\frac{177}{159}$)

تعلیم

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلّم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے۔ جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں

سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔

(کتاب البریہ ص ۱۷۹/۱۶۱ ، ۱۸۰/۱۶۲ ، ۱۸۱/۱۶۳)

میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے۔ (دافع البلاء ص ۲۲۳)

مصروفیت

میرے والد صاحب اپنے بعض آباو اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی والد موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں بھی مجھے لگا دیا۔

(کتاب البریہ ص ۱۸۳/۱۶۵)

والدِ مرحوم کے وقت میں مجھے بعض اپنے زمینداری معاملات کی حق رسی کے لیے عدالتوں میں جانا پڑتا تھا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۳۰۴)

ملازمت

ایسا ہی ان کے زیرِ سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔

(کتاب البریہ ص ۱۸۴/۱۶۶)

سلسلۂ مکالماتِ الٰہیہ

غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیرِ سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور و شور سے سلسلہ مکالماتِ الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

(کتاب البریہ ص ۱۹۵/۱۷۷)

مجدّد ہونے کا دعویٰ

جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدّد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ

الہام ہوا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ - یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھول دیئے۔ (کتاب البریہ صـــ ۲۰۱/۱۸۳)

خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرما کر اس صدی چہاردہم کا مجدّد قرار دیا ہے اور ہر ایک مجدّد کا بلحاظ حالت موجودہ زمانہ کے ایک خاص کام ہوتا ہے جس کے لیے وہ مامور کیا جاتا ہے تو اس سنّت اللہ کے موافق یہ عاجز صلیبی شوکت کے توڑنے کے لیے مامور ہوا ہے۔ (انجام آتھم صــ ۴۶)

اس چودہویں صدی کے سرے پر جس میں ہزاروں حملے اسلام پر ہوئے، ایک ایسے مجدد کی ضرورت تھی کہ اسلام کی حقیقت ثابت کرے۔ ہاں اس مجدّد کا نام اس لیے مسیح ابنِ مریم رکھا گیا کہ وہ کسرِ صلیب کے لیے آیا ہے۔ (انجام آتھم صـــ ۳۲۱/۳۷)

مامور من اللہ

مَیں مامور من اللہ اور اوّل المومنین ہوں۔ (کتاب البریہ صـــ ۲۰۲/۱۸۴)

مسیح موعود

میرا یہ دعوٰے کہ میں مسیح موعود ہوں ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے ظہور کی طرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ (کتاب البریہ صـــ ۲۰۵/۱۸۷)

اس صدی کا بھارا فتنہ جس نے اسلام کو نقصان پہنچایا تھا عیسائی پادریوں کا فتنہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کا نام مسیح موعود رکھا۔ (درخواست ملحقہ کتاب البریہ صـــ ۳۸۵)

اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام اور دعویٰ نبوت

اللہ تعالیٰ نے میرا نام غلام احمد قادیانی رکھ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اس نام میں تیرہ سو کا عدد پورا کیا گیا ہے غرض قرآن اور احادیث سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ آنے والا مسیح چودہویں صدی میں ظہور کرے گا۔ (کتاب البریہ صـــ ۲۵۸)

غلام احمد قادیانی اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں۔ اس قصبۂ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے۔ کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔

خداتعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السّلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحٰق ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص۷۳ ۷۶/۷۶)

خداتعالیٰ نے آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز مجھے قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی ص۶۸-۵۰۲)

اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر نیک اور راستباز نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جائیں سو وہ میں ہوں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۱ ۱۱۸)

اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایا یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایہ میں سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی صفات کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو۔ مگر خدا نے یہی پسند کیا کہ سب سے پہلے ابن مریم کی صفات مجھ میں ظاہر کرے۔ (حقیقۃ الوحی ص۵۲۱ ۸۵)

دعوت کی مشکلات

میری دعوت کی مشکلات میں ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔۔۔ بلکہ ایک سخت ناکامی کا سامنا تھا کیونکہ کوئی بھی پہلو درست نہ تھا۔ اوّل مال کی ضرورت ہوتی ہے سو اس وحی الٰہی کے وقت تمام ملکیت ہماری تباہ ہو چکی تھی۔ اور ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جو مالی مدد کر سکتا۔ دوسرے میں کسی ایسے ممتاز خاندان میں سے نہیں تھا جو کسی پر میرا اثر پڑ سکتا۔ ہر طرف سے بال و پر ٹوٹے ہوئے تھے۔

(نصرۃ الحق ص۶۸ ۶۹)

اطفال اللہ

بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خداتعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔ (ص۵۸۱ ۱۴۳ تتمہ حقیقۃ الوحی)

یادداشت

شیخ محمد حسین بٹالوی یہ شخص میری ابتدائی عمر میں میرا ہم مکتب بھی رہا ہے اور وہ اس کا بھائی حیدر بخش دونوں میرے مکان پر آئے تھے ایک دفعہ ایک کتاب بھی مستعار طور پر لے گئے تھے جس کو اب تک واپس نہیں کیا۔ (تریاق القلوب ص ۱۸۳/۱۵۵)

عمر اور بیماریاں

اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے۔ (برکات الدعا ص ۳۔ اپریل ۱۸۹۳ء)

اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے۔ (سراج منیر ص ۱۵/۱۷ امئی ۱۸۹۷ء)

چنانچہ اس وقت تک جو میری عمر قریباً پینسٹھ سال ہے کوئی شخص دور یا نزدیک رہنے والا ہماری گذشتہ سوانح پر کسی قسم کا داغ ثابت نہیں کر سکتا۔
(ص ۲۱۲/۲۱۴ ۵۹۰ ۔ نزول المسیح۔ جولائی واگست ۱۹۰۲ء)

مجھے اپنے مرض ذیابطیس کی وجہ سے آنکھوں کا بہت اندیشہ تھا... قریباً اٹھارہ برس سے یہ مرض مجھے لاحق ہے۔
(نزول المسیح ص ۲۰۴/۲۱۶ ۵۹۲ جولائی واگست ۱۹۰۲ء)

مرض ذیابطیس جو قریباً ۲۰ سال سے مجھے دامنگیر ہے... مجھے دماغی کمزوری اور دوران سر کی وجہ سے بہت ہی ناطاقتی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میری حالت بالکل تالیف و تصنیف کے لائق نہیں رہی اور ایسی کمزوری تھی کہ گویا بدن میں روح نہیں تھی۔ حقیقۃ الوحی ص ۳۰۶/۳۱۹۔ ۱۵ امئی ۰۷ ۱۹ء)

مجھے دو بیماریاں مدت دراز سے تھیں۔ ایک شدید درد سر جس سے میں نہایت بیتاب ہو جاتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً پچیس برس تک دامنگیر رہی اور اس کے ساتھ دوران سر بھی لاحق ہو گیا۔ دوسری مرض ذیابطیس ہے۔ تخمیناً بیس برس سے ہے جو مجھے لاحق ہے جیسا کہ اس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور ابھی تک بیس دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص ۲۷۷/۳۷۷ ۳۶۴

بیماری ذیابطیس ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔

(اربعین نمبر۴ صہ ۵۷۱/۱۲۹ — ۵)

احادیث میں ہے مسیح موعود دو زرد رنگ کی چادروں میں اترے گا... تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں ہیں۔ ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرتِ پیشاب اور دستوں کی بیماری ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین صہ ۴۴/۴۶ — ۴۶)

مَیں تو اکثر عوارضِ لاحقہ سے بیمار رہتا ہوں اور دردِ سر کی بیماری مجھے مدت تیس سال سے ہے۔ (انجام آتھم۔ صہ ۷)

ضعف بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنے ظاہر حالت پر امید نہیں ہوتی کہ زینہ کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھنے تک مَیں زندہ رہوں گا۔

(اربعین نمبر۴ صہ ۵۷۱/۱۲۹ — ۵)

حافظہ مدت ہوئی کہ مَیں نے ستیارتھ پرکاش میں پڑھا تو تھا مگر حافظہ اچھا نہیں یاد نہیں رہا۔ آریہ صاحبان خود مطلع فرمادیں۔

(نسیم دعوت صہ ۴۳۹/۷۹ — ۷۴ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

حالت مردمی نمبر ۱ جب شادی کے متعلق مجھ پر مقدس وحی نازل ہوئی تھی تو اس وقت میرا دل، دماغ اور جسم نہایت کمزور تھا اور علاوہ ذیابطیس اور دورانِ سر اور تشنج قلب کے دق کی بیماری کا اثر بکلی دُور نہ ہوا تھا۔ اس نہایت درجہ کے ضعف میں جب نکاح ہوا تو بعض لوگوں نے افسوس کیا کیونکہ مری حالت مردمی کالعدم تھی۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے مجھے خط لکھا تھا جو اب تک موجود ہے کہ آپ کو شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلا پیش آوے۔ مگر باوجود ان کمزوریوں کے خدا نے مجھے پوری قوت و صحت اور طاقت بخشی اور چار لڑکے عطا کیے۔

(نزول المسیح صہ ۵۸۷ — ۲۰۹)

حالت مردمی نمبر۲

شادی کا الہام: یہ خواب ان ایام میں آئی تھی کہ جب میں بعض عوارض و امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا بلکہ قریب ہی وہ زمانہ گذر چکا تھا جبکہ مجھے دق کی بیماری ہو چکی تھی۔ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا۔ اور دو مرضیں یعنی ذیابیطیس اور دردِ سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی اس لیے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا۔۔۔ غرض اس ابتلا کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے رفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے چنانچہ وہ دوائیں نے تیار کی۔ اور مجھے چار لڑکے عطا کیے گئے۔[1]

(تریاق القلوب۔ صفحہ ۲۰۲/۷۴ - ۲۰۳/۷۵ - ۲۰۴/۷۶)

(جاری ہے۔)

[1] وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء (از مؤلف ۔)

کاروباری اور صنعت کار حضرات کے
میثاق
کے ساتھ تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ

اس میں اشتہار شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق:	آخری صفحہ:	=/ ۱۵۰۰	روپے فی اشاعت
	دوسرا صفحہ (اندرونی):	=/ ۱۲۰۰	〃 〃 〃
	تیسرا صفحہ (اندرونی):	=/ ۱۰۰۰	〃 〃 〃
اندرونی عام صفحات:	پورا صفحہ	=/ ۸۰۰	روپے فی اشاعت
	نصف صفحہ	=/ ۵۰۰	〃 〃 〃

اسلام اور پردہ

"برصغیر پر برطانوی حکومت کے سیاسی تسلط کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہاں کے مسلمان سیاسی غلامی میں گرفتار ہوئے اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی غلامی کا دور بھی شروع ہوا جس میں زیادہ تر امراء اور تعلیم یافتہ طبقات مبتلا ہوئے۔ چنانچہ اسی کی زد میں ستر و حجاب کے احکام بھی پائمال ہوتے شروع ہوئے مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے ۱۹۱۲ء میں اس مسئلہ پر جو مبسوط مقالہ لکھا تھا وہ استفادہ عام کے لیے پیش ہے۔" "ادارہ"

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک میں جو نئے مباحث پیدا کر دیئے ہیں، ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرون اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا۔ نئے تعلیمیافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف[1] (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء میں رسالہ "نائنٹین سینچری" میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ لمبا برقع، نقاب اور خمار سلجوقیوں کے آخری زمانہ میں شائع ہوا۔ اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند میں رائج ہے، خلفاء کے زمانہ میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلفاء ضعیف ہوئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت کو درہم برہم کیا تو اس وقت علماء میں اس پر نزاع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ، منہ اور پاؤں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں یا نہیں۔"

---

[1] بے علم جسٹس امیر علی کو معلوم نہیں تھا کہ فقہ اور حدیث اس زمانے سے پہلے مکمل ہو چکے تھے اور یہ سب مسائل احادیث میں موجود ہیں۔ جہالت کی حد ہو گئی ہے۔

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے۔ علماء قدیم اور جدید تعلیمیافتہ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا' جدید تعلیمیافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے جو ابھی اوپر گزر چکی ہے لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہونچتی ہے' اس لئے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانے میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی۔ ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا؟

مدت ہوئی' ہم نے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا پہلے اس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے۔ لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیازات قائم کر دیئے ہیں۔ جو ہر قوم' ہر فرقہ' ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس' وضع' طور طریقے بالکل یکساں رہے ہونگے اور بجز قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتی ہوگی۔ لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی' اسی قدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ آج دونوں کے طریق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئیں جو مشترک کہی جا سکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں ہے' قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہو سکتے ہیں' دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور دونوں فریق کے اصول زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لئے آج یہ پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اوّل کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتداء قرار دیتے ہیں۔ سو وقت تک کیونکر ان تفرقوں نے وسعت حاصل کر لی تھی۔

اگر ہم یہ بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیئے گئے تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتا سکیں گے۔ اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے نہایت قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور ان کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے۔ البتہ جو امور زمانۂ مابعد میں پیدا ہوئے، ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہیں ہے۔

پردہ کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں:

(۱) چہرہ اور تمام اعضاء کا ڈھکنا

(۲) مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا اور زیادہ تر قدرتی ضرورتیں اس کے ایجاد کا باعث تھیں۔ اوّل اوّل جب اس رسم کی ابتداء ہوئی تو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا اور وہ مرد اور عورت سے یکساں متعلق تھیں۔ غالباً سب سے پہلے قبیلۂ حمیر میں جو یمن کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے۔ یہ طریقہ جاری ہوا۔ اسپین میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہوگئی تھی جو ملثمین کہلاتے تھے۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے ملثمین کہلاتے تھے۔ اس میں یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا۔ علاّمہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ لکھی ہے۔

وسبب ذالك على ما قيل ان حمير كانت تتلثم لشدة الحر والبرد. تفعله الخواص منهم فكثر ذالك حتى تفعله عامتهم	"یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے، یہ ہے کہ قبیلہ حمیر کے لوگ گرمی اور سردی کی وجہ سے چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے پہلے خواص ایسا کرتے تھے پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ میں اس کا رواج ہوگیا۔

علامہ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلہ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے تو یہ لوگ ان کے گھروں پر حملہ کرتے تھے اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے۔ مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں اور مرد چہروں پر نقاب ڈال کر گھروں میں رہے۔ دشمنوں نے معمول کے موافق حملہ کیا۔ یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑ کر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں نصیب ہوئی اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لی گئی۔ یہاں تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورتیں یکساں نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے:

لما حووا احراز کل فضیلۃ   غلب الحیاء علیھم فتلثموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو ہوتے تھے، اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہیں، چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے۔ اس کی مثالیں زمانہ اسلام میں بھی ملتی ہیں۔

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے، اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا[1]۔ رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہو گیا اور بڑے مجمعوں میں اکثر لوگ برقع پہن کر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار عکاظ میں جو عرب کی حوصلہ افزائیوں کا مشہور دنگل تھا اہل عرب عموماً چہروں پر نقاب ڈال کر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یعقوب، جو نہایت قدیم زمانے کا مؤرخ ہے، اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ وعلی وجوھھا البراقع فیقال ان اول عربی کشف قناعہ ظریف بن غنم العنبری ففعلت العرب مثل فعلہ	"یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار میں آتے تھے اور ان کے چہروں پر برقعے پڑے ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اول جس عربی نے برقع اتارا وہ ظریف بن غنم تھا۔ اس کے بعد اوروں نے بھی اس کی تقلید کی۔"

---

[1] کتاب الاغانی، ترجمہ مقنع کندی

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے، لیکن اصل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی، وہ دو امر تھے۔

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر میں آچکا ہے۔ حمیر میں تو عام و خاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے۔ لیکن اور قبائل میں یہ طریقہ امراء اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیروں کو ہی ہو سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امراء کا امتیازی لباس ہے، بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا۔ اہل عرب محض ابتدائی زمانہ میں تو امیر و غریب سب ایک سی حالت میں رہتے تھے لیکن جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی اسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے۔ ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ امراء اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانے میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے۔ اور سلاطین اور سرداران قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال یہاں تک بڑھا کہ بادشاہ دربار میں بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اس میں اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے۔

جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتداء ہوئی، اس وقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں لیکن مردوں سے یہ التزام مالایلزم نبھ نہ سکا۔ چنانچہ جب عکاظ میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بن کر اس قید سے آزاد ہو گئے۔ کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا۔ البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہیں، وہ تو اس سے

انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن عام خیال چونکہ یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے ہوا اس لئے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعراء جاہلیت کے اشعار ہیں۔ اس لئے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں:

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے، مالک بن زبیر کے مرثیہ میں کہتا ہے:

من کان مسرورا بمقتل مالك　　　فلیأت نسوتنا بوجه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے، وہ ہماری عورتوں کو دن میں آکے دیکھے۔

یجد النساء حواسرا یندبنه　　　یلطمن اوجههن بالاسحار

وہ دیکھے گا عورتیں، برہنہ سر نوحہ کر رہی ہیں اور اپنے چہروں کو صبح دوپہر مار رہی ہیں۔

قد کن یخبان الوجوه تسترا　　　فالیوم حین برزن للنظار

وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں لیکن آج غیر معمولی طور پر دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آئی ہیں۔

علّامہ تبریزی نے تَسَتُّرًا کی شرح میں لکھا ہے عفةً وحیاءً یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔

عمرو بن معدیکرب ایک سخت واقعۂ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے

وبدت لمیس کانها !!　　　بدر السماء اذا تبدی

اور لمیس کا چہرہ کھل گیا گویا چاند نکل آیا۔

عمرو بن معدیکرب، اگرچہ مخضرمی شاعر ہے یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہیں۔

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہے، اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے:

ونسوتکم فی الروع باد وجوهها　　　یخلن اماداً لاماء حرائرُ

یعنی لڑائی میں تمہاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے اور اس وجہ سے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ آزاد تھیں۔

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا، ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہاں نعمان کی بیوی جس کا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعۃً جا کھڑا ہوا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اضطراب میں دوپٹہ گر گیا۔ متجردہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیا۔ نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی، اس پہ اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ   فتناولتہ واتقتنا بالید

دوپٹہ گر گیا اور اس نے قصداً نہیں گرایا۔ اس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کیا۔

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتیں نکل آئیں اور باہر جہاں کھانا پک رہا تھا، چولہے کے پاس بیٹھ گئیں، لکھتا ہے:

وکانوا قعوداً حولها یرقبونها   وکانت فتاة الحی ممن ینیرها

مبرزة لا یجعل الستر دونها   اذا خمد النیران لاح بشیرها

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں لباس کے متعلق بہت ترقی کرلی تھی۔ اگرچہ یہ ترقیاں صرف امراء اور سرداران قبائل تک محدود تھیں۔ لیکن جن لوگوں میں تھیں، پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھیں۔ عورتوں کے لئے لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصے کے لئے بخوبی پردہ پوش تھے لباسوں کا یہ تنوع زیادہ تر تفخر و امتیاز کی بنا پر تھا اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اس سے محروم تھا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے، عورتوں کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوا یعنی زمانہ جاہلیت میں جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے، اس سے زیادہ اقسام پیدا نہیں ہوسکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔ عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں جن کی قسمیں سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اسی اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے۔ مثلاً درع، اتب، قرقل، صدار، مجول، شوذر، خمیعل۔ ان

میں باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا۔ ان کی وضع محرم، کمری، فتوحی اور قمیص سے ملتی جلتی تھی۔ اشعار جاہلیت میں تقریباً یہ سب نام ملتے ہیں۔ لیکن بلحاظ تطویل ہم ان اشعار کو قلم انداز کرتے ہیں۔ قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کئے جاتے تھے۔

ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا۔ جس سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا اس کو بخنق کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالوں میں تیل لگا ہو تو اس میں جذب ہو کر رہ جائے اور دوپٹہ میں نہ لگنے پائے۔ اس کا نام غفارہ تھا۔ غفارہ کے اوپر مختلف طول وعرض کے دوپٹے استعمال کئے جاتے تھے جن کے نام یہ ہیں، صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، مفجر، رداء۔ خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا۔ اس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ دیکھنا۔ خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا۔ اسی بناء پر شاعر کا قول ہے:۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه　　　فتناولته واتقتنا بالیـد!

فخر علی الالاءة لم یوسـد!　　　وقـد کان الدماء لها خمار

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لئے برقع ہوتا تھا جس کی مختلف قسمیں تھیں۔ جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا اس کو "وصواص" کہتے تھے۔ اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا۔ نقاب سے نیچا لفام اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا۔ لفام کی حد ہونٹوں سے متجاوز نہ تھی۔ سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا، اس کو جشہ کہتے تھے۔ نقاب کے یہ تمام اقسام زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے اور استعمال کئے جاتے تھے۔ اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اربن محاسنا وکنن اخری　　　ونقبن الوصاوص للعیـون!

یمشي لنا کالبدر تحت غمامة　　　وقـد نلن من غر الثنایا لفامها

غرض لباس کا پردہ تمام عرب میں جاری تھا اور بجز عوام اور کنیزوں کے تمام عورتیں اس کی پابند تھیں۔

بعض مثالیں اس رسم کے خلاف ملتی ہیں۔ مگر وہ نہایت شاذ ہیں لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مردوں کی سوسائٹیوں میں شریک نہ ہو سکنا زمانۂ جاہلیت

میں بالکل نہ تھا۔ عورتیں عموماً مجلسوں، بازاروں، لڑائیوں میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ بازار عکاظ میں جہاں شعراء طبع آزمائیاں کرتے تھے، شاعرہ عورتیں جاتی تھیں اور ان کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے۔ وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی، عکاظ میں گئی۔ اور نابغہ ذبیانی کے سامنے، جو اس وقت استاذ الشعراء تھا، اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس، ابھی ایک شخص کو میں اشعر العرب کا خطاب دے چکا ہوں، ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا۔ تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے۔ خنساء نے کہا نہیں بلکہ میں اشعر الرجال والنساء ہوں۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤں میں کسی شاعر کا گذر ہوتا تو وہاں کی تمام عورتیں اس کے پاس آتی تھیں اور شعر پڑھنے کی فہمائش کرتی تھیں اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں۔ شعراء بھی بڑے ذوق سے ان کو اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ، منافرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ، کوئی ایسا مجمع و مجلس نہ تھی جس میں عورتیں بلا تکلف شریک نہ ہوتی ہوں۔

یہ زمانۂ جاہلیت کا حال تھا۔ اسلام کے زمانے سے نیا دور شروع ہوا۔ اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحات ہوئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اسلام نے سب سے پہلے اصلاح یہ کی کہ جاہلیت کے کرتوں کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جس سے سینے نظر آتے تھے۔ اس پر ذوقعدہ ۵ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ	"اور چاہیئے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں"

عینی نے بخاری کی شرح میں اس موقع پر لکھا ہے۔

وذالك لان جيوبهن كانت واسعة تبدوا منها نحورهن و صدورهن وما حواليها وكن يدلين الخمر من وراءهن فتبقى مكشوفة فامرن بان يدلينها من قدامهن حتى يغطينها:

(ترجمہ) "یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے ہوتے تھے جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف نظر آتے تھے اور وہ دوپٹوں کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں اس لئے سینے کھلے رہ جاتے تھے اس لئے ان کو حکم ہوا کہ سامنے ڈالیں تاکہ سینہ چھپ جائے۔"

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ پہلے سے جاری تھا لیکن مدینہ منورہ میں یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا۔ اکثر عورتیں کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔

"اے پیغمبرؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر ڈال لیا کریں (یعنی چادروں سے منہ چھپا لیا کریں)۔"

اس آیت سے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے۔

آیت کا شان نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہیں؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کا طریقہ عمل کیا رہا۔

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محدثانہ تفسیر ہے، یہ تصریح ہے

كان ناس من فساق اهل المدينة يخرجون بالليل حين يختلط الظلام الى طرق المدينة فيعرضون للنساء وكانت مساكن اهل المدينة ضيقة، فان كان الليل خرج النساء الى الطرق، يقضين حاجتهن

"مدینہ میں بدمعاشوں کا ایک گروہ تھا جو رات کی تاریکی میں نکلتا تھا اور عورتوں کو چھیڑتا تھا۔ مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے۔ رات کو جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے نکلتی تھیں تو یہ بدمعاش ان سے برا ارادہ کرتے تھے۔ جس عورت کو دیکھتے تھے کہ

فکان اولئک الفساق یبتغون ذالک منھن فاذ رأو االمرأۃ علیھا جلباب قالوا ھذہ حرۃ فکفوا عنھا واذا رأوا المرأۃ لیس علیھا جلباب قالوا ھذہ امۃ فوثبوا علیھا

چادر میں چھپی ہوتی ہے اس کو شریف زادی سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ ورنہ کہتے تھے یہ لونڈی ہے اور اس پر حملہ کرتے تھے۔"

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے اس میں بھی یہی شان نزول لکھا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یوذیھن فاذا قیل لہ قال کنت احسبھا امۃ فامرھن اللہ ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیھن من جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا

(ترجمہ) "ایک منافق تھا جو مسلمان عورتوں کو چھیڑا کرتا تھا تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا میں نے اس کو لونڈی سمجھا تھا۔ اس بنا پر خدا نے حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع نہ بنائیں اور اپنے اوپر چادریں ڈال لیں۔ اس طرح کہ بجز ایک آنکھ کے باقی سب چہرہ چھپ جائے۔"

تفسیر کشاف میں ہے:

فامرن ان یخالفن بزیھن عن زی الاماء بلبس الاردیۃ والملاحف وستر الرؤس والوجوہ

"اس لئے ان کو حکم ہوا کہ لونڈیوں کی وضع سے الگ وضع اختیار کریں۔ یعنی چادریں اور برقع استعمال کریں اور سر اور چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ بیبیوں اور لونڈیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ بیبیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں اور لونڈیاں کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

ونسوتکم فی الروع باد وجوھھا　　یخلن اماء والاماء حرائر

"تمہاری عورتوں کے چہرے لڑائی میں کھل گئے تھے اس لئے لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ لونڈیاں نہ تھیں۔

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانے میں یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بدمعاشوں کو ان کے چھیڑنے کے لئے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا۔

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہیں، جلباب اور ادناء۔ جلباب کے معنی میں اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع اور چادر تھی جو تمام کپڑوں سے زیادہ وسیع ہوتی تھی اور اس لئے سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی جس طرح آج کل ترکی خواتین فراجہ استعمال کرتی ہیں۔ تفسیر عماد ابن کثیر میں ہے:—

والجلباب هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود وعبيدة والحسن البصري وسعيد بن جبير وابراهيم النخعي وعطاء الخراساني وغير واحد.	"جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال کی جاتی ہے۔ عبداللہ ابن مسعود، عبیدہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی وغیرہ نے جلباب کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔"

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے، وہ ادناء ہے۔ ادناء جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہیں، منہ چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں علی بن طلحہؓ سے نقل کیا ہے کہ:

امر الله نساء المؤمنين اذا خرجن من بيوتهن فى حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلباب ويبدين عينا واحدة.	"خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر چہروں کو چھپالیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔"

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:—

قال ابن عباس وابو عبیدۃ	" ابن عباس اور عبیدہ کا قول ہے
امر نساء المؤمنین ان	کہ خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا
یغطین رؤسھن ووجوھن	کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپالیں
بالجلابیب الا عینا واحدۃ	بجز ایک آنکھ کے "

طبقات ابن سعد میں ہے[1]

عن محمد بن عمر عن ابی بسرۃ	محمد ابن عمر نے ابو بسرہ سے، انہوں
عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی	نے ابو صخر سے انہوں نے ابن کعب قرظی
قال کان رجل من المنافقین	سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک
یتعرض لنساء المؤمنین	منافق تھا جو مسلمان خواتین کو چھیڑا کرتا
یوذیھن. فاذا قیل لہ قال	تھا اور جب اس کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا
کنت احسبھا امۃ. فامرھن	تھا کہ میں نے لونڈی سمجھا تھا تو خدا نے
اللہ ان یخالفن زی الاماء	حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع ترک
ویدنین علیھن من	کریں اور اپنے اوپر اس طرح سے
جلابیبھن تخمر وجھھا	چادر ڈال لیں کہ چہرہ چھپ جائے
الا احدی عینیھا	بجز ایک آنکھ کے "

تفسیر کشاف میں ادناء جلباب کی یہ تفسیر کی گئی ہے :

یرخینھا علیھن ویغطین	"چادر کو اپنے اوپر ڈال لیں اور
بھا وجوھھن	چہرہ کو چھپالیں ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس، ابو عبیدہ، ابن کعب قرظی، بغوی، ابن کثیر اور زمخشری اس درجہ کے لوگ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی تھی لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے شاذ و نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

اس صورت میں صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآرا مسئلہ میں استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے ۔

---

[1] جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷، مطبوعہ یورپ

پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی حالت کے نامحرموں سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھیں۔ یہانتک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے مقدم مسئلہ بن گیا تھا۔ تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی۔

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جا کر اسے دیکھ آؤ۔ انہوں نے جا کر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام سنایا۔ صحابہ جس قدر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہیں، تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ ان کی لڑکی ان کے سامنے آئے اور یہ اس پہ نظر ڈال سکیں۔ لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ بولی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے تو تم مجھ کو آکر دیکھ لو۔ ورنہ میں تم کو خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں مذکور ہے۔

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لئے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لیں۔ لیکن موقع نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی۔ انہوں نے موقع پا کر اسے دیکھ لیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے انہوں نے ان سے کہا آپ صحابی ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ پہلے اس کو دیکھ لیا جائے۔

(سنن ابن ماجہ، باب النکاح)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اخطل سعید بن ایاس کا مہمان ہوا۔ سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی۔ یہاں تک کہ اس کی دونوں لڑکیاں، جن کا نام زعوم وامامہ تھا، اخطل کی خدمت گزاری میں مصروف رہیں۔ دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو لڑکیاں جوان ہو چکی تھیں۔ اس لئے اخطل کے سامنے نہ آئیں۔ اغانی کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

ثم نزل علیہ ثانیۃ	" اخطل دوبارہ سعید کا مہمان
[illegible] فاحتجبتا	ہوا تو لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں

فسئال عنهما وقال این ابنتای فاخبر بکبرهما۔ — اس لئے انہوں نے پردہ کیا۔ اخطل نے پوچھا کہ تیری لڑکیاں کہاں ہیں؟ سعید نے کہا اب وہ بالغ ہو گئی ہیں۔

پردہ کا اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے تو مؤرخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں جہاں ترکوں کا ذکر کیا ہے، ایک عورت کا ذکر کر کے لکھا ہے:

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء الاتراک لایحتجبن — "اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ ترکی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔"

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرے میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے:—

وکان اھل البدو اذ ذاک یحدث رجالھم الی النساء لایرون بذالک بأسا۔ — "اس زمانہ میں صحرانشین عربوں میں مرد عورتوں کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے تھے اور اس کو معیوب خیال نہیں کرتے تھے۔"

اسی کتاب میں جمیل کے تذکرہ میں، جو ایک بدوی شاعر تھا، لکھا ہے:

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضھن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید — "جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا۔ اس زمانہ میں عید کے دن عورتیں آراستہ ہو کر ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں۔"

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانوں کی عام معاشرت تھی۔ اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے تو وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے

اس موقعہ پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنّف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ

"خلفاء کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔" ذالک مبلغھم من العلم ــــــ!

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ الاسراء ۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

محمد یونس جنجوعہ

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اسلامی تعلیمات میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی خصوصی تاکید ملتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے اپنے حق یعنی توحید کے متصلاً بعد والدین کے حقوق بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی ہے۔ والدین کا ادب و احترام، ان کے ساتھ حسن و خوبی کا برتاؤ اخلاقیات کا اہم تقاضا ہے چونکہ اسلام میں اخلاقیات کی اہمیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اس لیے اولاد کے لیے اپنے والدین کی خدمت، فرمانبرداری اور نیک سلوک اسلامی اخلاق میں اہم ضابطے کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فطری تقاضوں کی تسکین کے لیے احسن طرزِ عمل اور عمدہ طریق کار اختیار کیا گیا ہے۔ والدین کے دل میں اولاد کی محبت کا جذبہ فطری طور پر نہایت شدّت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی جذبے کا کرشمہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے اور ان کی تعلیم و تربیت کا بہتر سے بہتر انتظام کرتے اور ان کی تکالیف رفع کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں بلکہ اگر اولاد کو مصیبت میں دیکھیں تو اس قدر بیتاب ہو جاتے ہیں کہ خود اپنی تکلیف بھی بھول جاتے ہیں۔ سردیوں کے موسم میں ماں کے پہلو میں لیٹا ہوا بچہ رات کو پیشاب کر کے بچھونے کو گیلا کر دے تو ماں کے لیے یہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے کہ وہ خود تو خشک بچھونے پر سوئے اور اس کا بچہ گیلے حصے پر پڑا رہے چنانچہ وہ خود گیلے حصے پر ہو جاتی ہے اور بچے کو خشک بچھونے پر لٹا دیتی ہے۔ اسی طرح والد اپنے خون پسینے کی کمائی اولاد پر خرچ کرتا ہے۔ بعض اوقات خود مصیبت اٹھا کر اولاد کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ والدین اولاد کی کوتاہیوں کو برداشت کرتے اور کمال فراخ دلی سے انہیں

معاف کر دیتے ہیں۔

مروت کا تقاضا ہے کہ محسن کو یاد رکھا جائے۔ اس کے حسن وسلوک اور مصیبت میں کام آنے کو فراموش نہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہ کیا۔ اولاد کے لیے والدین سے بڑھ کر کون محسن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اولاد پر یہ فرض خود بخود عائد ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر والدین کی خدمت اور اطاعت کرے اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کرے کہ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر، دکھ سہہ کر اور مال خرچ کر کے ان کی پرورش کی ہے۔

" اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر اُن میں سے ایک یا وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا۔ بلکہ ان کے ساتھ بات کرنا احترام کے ساتھ۔ اور ان کے لیے عاجزی کا بازو جھکا دو مہربانی کے ساتھ۔ اور (خدا سے دعا کرتے رہو) اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا۔ "

والدین کے اپنی اولاد پر اس قدر احسان ہوتے ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ عام ضابطہ اخلاق کے تحت اولاد کے لیے لازم ہے کہ وہ ہوش مندی کی عمر کو پہنچ کر اپنے والدین کے احسانات کا بدلہ چکائے خصوصاً جبکہ والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر جسمانی کمزوری کی وجہ سے اولاد کی خدمت کی حاجت بھی رکھتے ہوں چونکہ والدین نے اولاد کی پرورش کے دوران دکھ اور تکلیف برداشت کیے ہوتے ہیں۔ اس لیے فطرتاً وہ امید رکھتے ہیں کہ جن کے لیے انہوں نے دُکھ اور تکلیفیں اٹھائیں بلکہ جان تک نچھاور کرتے رہے اب احتیاج کے وقت وہ ان کی نگہداشت کریں اور سہولت پہنچانے کی کوشش کریں۔ لیکن جب ناخلف اولاد جوان ہو کر اپنے من پسند مشاغل میں منہمک ہو جائے اور بوڑھے والدین کو بے سہارا چھوڑ دے تو ماں باپ کا ان پر ناراض ہونا بجا ہے۔ چونکہ والدین کی ناراضی

بجا ہوتی ہے۔ اِس لیے ان کی ناراضی خدا کی ناراضی کا موجب بنتی ہے ۔ اسی طرح جب سعادت مند اولاد جوان ہو کر اپنے ضعیف والدین کی خدمت کرتی ہے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی ہے تو والدین کا دل خوش ہوتا ہے اور ان کی یہ خوش دلی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آتی ہے ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے ۔ ایک اور حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب کوئی اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے ۔ معلوم ہوا کہ والدین کے حق میں دعا مانگنا بھی ادائے حقوق کے لیے لازم ہے اور نیز والدین کے حق میں دعا کے الفاظ بھی خود قرآن پاک میں بتائے گئے ہیں یعنی رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ۰ (اے میرے پروردگار ان دونوں (میرے ماں باپ) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے کودکی سے پرورش کیا) گویا دعا مانگنے والا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا کہہ کر خدا تعالےٰ سے اپنے والدین کے لیے غیر مشروط اور مطلق مہربانی کی تمنا کر رہا ہے کیونکہ انہوں نے مطلق مہربانی کے جذبے کے تحت ہی اپنی اولاد کی تربیت کی ہے ۔ اولاد سے ناپختگی کی عمر میں اکثر اوقات نامناسب رویّے کا ظہور بھی ہو جاتا ہے لیکن والدین اپنے تیور نہیں بدلتے بلکہ معاف کیے دیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں تو اب جوان صاحبزادے کی خدا کے حضور دعا کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح میرے والدین نے میری لغزشوں، کوتاہیوں، غلطیوں اور ناقابلِ قبول کے باوجود مطلق مہربانی کے جذبے سے میری پرورش کی اسی طرح تو بھی ان کی خطاؤں اور گناہوں کو نظر انداز کر کے اُن پر مطلق مہربانی فرما ۔ کتنی معنی خیز دعا ہے ۔ جو ہمیں ہمارے خالق نے اپنے والدین کے حق میں مانگنے کے لیے سکھائی ہے ۔

بعض اوقات والدین خود اخلاقی یا عملی اعتبار سے قصوروار ہوتے ہیں تو سوال پیدا ہوگا کہ والدین کے حق میں دعا مانگنا اس وقت کیسا رہے گا تو اس صورتِ حال کے لیے قرآن پاک میں کوئی استثنا مذکور نہیں ہے بلکہ اولاد کو والدین کے حق میں غفورٌ رحیم ربّ تعالےٰ سے مطلق مہربانی کی دعا کرتے رہنا چاہیئے ۔ البتہ اولاد کے لیے لازم ہے کہ فاسق فاجر اور بدکردار والدین کی صورت میں وہ صرف معروف باتوں

ہیں ان کا حکم مانیں اور اطاعت کریں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃِ الخالق ۔ (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں) اور خود قرآن پاک میں ارشاد ہے "تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ... الخ

حاصل تحریر یہ ہے کہ جن لوگوں کے والدین موجود ہیں وہ ان کی موجودگی کو بلیش بہا نعمت سمجھ کر ان کی خدمت میں سرگرم عمل رہیں ان کی دعائیں لیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں کیونکہ ان کے بابرکت وجود کی اہمیت سے غفلت نتیجتاً نہایت خطرناک ثابت ہوگی۔ بوڑھے والدین کی سخت سست باتوں کو صبر سے سُننا اور جواباً ان کو اُف تک نہ کہنا بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھنا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ جن لوگوں کے والدین اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں انہیں اپنے والدین کی مغفرت، بخشش اور بلندئ درجات کے لیے اللہ رب العزّت کے حضور دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح نماز کے ہر قعدے میں جہاں رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف پڑھتے ہیں وہاں وہ والدین کے حق میں دعائے خیر بھی کرتے ہیں۔

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام، قیمت ایک روپیہ

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

خبر غلط تھی

> مشہور امریکی خلاباز، نیل آرم اسٹرانگ کے بارے میں گذشتہ دنوں یہ خبر گرم تھی کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے یہ خبر بیک وقت مختلف ذرائع سے سامنے آئی اور بعض اخبارات میں تو اسکی بنیاد پر اداریئے تک لکھے گئے
>
> ادارہ میثاق سے یہ تقصیر ہوئی کہ میثاق کی اپریل ۸۳ کی اشاعت میں کسی تحقیق وتبیین کے بغیر "افکار و آراء" کے ضمن میں روزنامہ جسارت (اشاعت ۱۲ فروری ۸۳ء) کے حوالے سے اس اخباری تبصرہ کو شائع کردیا گیا - بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر درست نہ تھی - اس پر مولانا وحیدالدین خان نے جو تحقیق کی ہے وہ ماہنامہ "الرسالہ"، دہلی، کے حوالے سے قارئین میثاق کے لئے پیش ہے۔

نیل آرم اسٹرانگ مشہور امریکی خلاباز ہیں - وہ تاریخ کے پہلے انسان ہیں جنہوں نے ۲۱ جون ۱۹۶۹ کو چاند پر قدم رکھا - وہ اس سے پہلے امریکہ کے خلائی ادارہ ناسا (NASA) تھے - اب اس سے الگ ہوکر وہ ایک یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

پچھلے دنوں ملیشیا کے اخبار اسٹار (۱۰ جنوری ۱۹۸۳) اور سری لنکا کے ڈیلی نیوز (۲۹ جنوری ۱۹۸۳) میں ایک خبر چھپی جو بہت جلد دوسرے مسلم اخبارات میں نقل ہوکر بھر میں پھیل گئی - یہاں ہم اسٹار کی خبر اور اس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں :

The world-famous astronaut Neil Armstrong was the first man to set foot on the moon. He has since become a Muslim and the reason given was that when he first stepped on the moon he heard a sound which was very clear to him and his companions. At that time, he thought his ears were playing tricks on him as he was rather excited and over-awed by his first experience on the moon. When he was sent on a lecture tour to the various contries, one of the places he visited was Cairo, Egypt, and he heard the same sound again. So he asked the Egyptian companion nearest to him what the sound was. He was told that it was Azan, the call to prayer and the glorification of God. He was astounded for that was the same sound and the same words to the best of his memory that he heard on the moon. It was then, that he decided to learn something about the religion and finally embraced Islam. As a result of that, he lost his coveted job. But, according to him, he had found God, and nothing else mattered.

دنیا کے مشہور خلاباز آرم اسٹرانگ پہلے شخص ہیں جنہوں نے چاند پر قدم رکھا

بعد سے مسلمان ہو گئے ہیں اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب پہلی بار انہوں نے چاند پر قدم رکھا
ون نے وہاں ایک آواز سنی جو ان کے لئے اور ان کے ساتھیوں کے لئے بہت صاف تھی۔
وقت ان کو خیال آیا کہ ان کے کانوں کو دھوکا ہو رہا ہے۔ کیوں کہ اس وقت وہ چاند کو پہلی
یکھ رہے تھے۔ اور ان پر ایک استعجاب کی کیفیت طاری تھی۔ بعد میں وہ مختلف ملکوں میں لیکچر
نے کے لئے گئے۔ اس دوران وہ قاہرہ (مصر) بھی گئے۔ وہاں انہوں نے وہی آواز دوبارہ سنی
نوں نے چاند پر سنی تھی۔ انہوں نے اپنے قریب کے مصری ساتھی سے پوچھا کہ یہ آواز کیا
۔ ان کو بتایا گیا کہ یہ اذان ہے جو عبادت کی پکار ہے اور اس میں خدا کی بڑائی بیان کی
ہے۔ آرم اسٹرانگ کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ یہ ان کے حافظہ کے مطابق وہی آواز اور
الفاظ تھے جو انہوں نے چاند پر سنے تھے۔ اس وقت انہوں نے اسلام کے متعلق جاننے کا

۔ کیا اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی قابل رشک ملازمت
ی۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے خدا کو پالیا ہے۔ اور اب کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔
یہ خبر دوسرے اخبارات میں نقل ہوئی تو اس میں مزید اضافے بھی کر دیئے گئے۔ مثلاً
م اسٹرانگ نے چاند کی آواز کو ٹیپ ریکارڈ کر لیا تھا اور زمین پر آ کر اذان کی آواز کو اس سے
۔ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ایک خط مسٹر آرم اسٹرانگ کو لکھا تھا۔ انہوں نے اس
تردید کی ہے اور اس کو بے بنیاد بتایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے ذاتی دستخط سے جو جواب
دل ہوا ہے اس کا عکس علٰحدہ صفحہ پر دیا جا رہا ہے۔ آرم اسٹرانگ اپنے جواب میں لکھتے ہیں:
آپ کے خط کا شکریہ۔ میرے اسلام قبول کرنے کی خبریں، اذان کی آواز کو چاند پر اور
ے بعد قاہرہ میں سننا، سب خلاف واقعہ ہیں۔ میں کبھی مصر نہیں گیا۔ ملیشیا، انڈونیشیا
دوسرے مقامات کے کچھ رسالوں اور اخبارات نے یہ خبریں بغیر تصدیق کئے ہوئے چھاپی ہیں۔
نا اہل صحافت نے آپ کو جو بھی زحمت دی ہو اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں ——
خلوص کے ساتھ، آرم اسٹرانگ

خبر کے مطابق اس واقعہ میں حکومت امریکہ بھی ملوث تھی۔ کیونکہ خبر میں بتایا گیا تھا کہ اسلام
کرنے کی وجہ سے مسٹر آرم اسٹرانگ کی سرکاری ملازمت ختم کر دی گئی ہے۔ اس بنا پر خود حکومت
نے بھی اس کی تردید کا اہتمام کیا۔ ۱۲ مئی ۱۹۸۳ کو نئی دہلی کے امریکن سینٹر میں ایک خصوصی ٹیلی
س کانفرنس ہوئی۔ اس میں اخبارات کے نمائندوں کو موقع دیا گیا کہ وہ ٹیلی فون کے ذریعہ

براہ راست آرم اسٹرانگ سے بات کریں۔ اس ٹیلی پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہو
امریکی خلاباز نے اپنے قبول اسلام کی تردید کی (ہندستان ٹائمس ۱۳ مئی ۱۹۸۳) مزید ا
نے کہا کہ اسلام کی تعلیمات کبھی ان کے سامنے نہیں آئیں اور نہ انہوں نے قرآن کا م
کیا ہے :

He had never been exposed to Islamic teachings nor had he read the Quran.

کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے آرم اسٹرانگ اور ان جیسے دوسرے بندگا
کے سلسلہ میں اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو تو پورا نہیں کیا۔ البتہ فرضی کہانیاں بنا کر خو
ہو رہے ہیں کہ چاند سے لیکر امریکی خلاباز تک سب کو ان کے دین اعظم نے فتح کر رکھا ہے

NEIL A. ARMSTRONG
31 N. BROADWAY
LEBANON. OHIO 45036
TELEPHONE 513-932-6833

May 5, 1983

Wahuddudin Khan
dent, Islamic Centre, Delhi
e Al-Risala Monthly
t Building
Jan Street
- 110006

Mr. Khan:

you for the courtesy of your letter.

eports of my conversion to Islam, of hearing the of Adzan on the moon, and later in Cairo (I have been in Egypt) are all untrue.

l magazines and newspapers in Malaysia, Indonesia sewhere have published these reports without veri-on. I apologize for any inconvenience that this etent jouralism may have caused you.

Sincerely,

Neil A. Armstrong

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

رآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ✣ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ✣ کاٹن گارمنٹس ✣ احرام تولیہ ✣ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ✣ لکڑی کا فرنیچر۔

رآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ✣ سٹکر فلم ✣ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ✣ پولیسٹر ریان ۔

مرکزی دفاتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہ قائداعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد -

رفتارِ کار

اسلام آباد

امیر محترم تقریباً پچھلے ڈیڑھ سال سے ہر ماہ کی پہلی سوموار سے کمیونٹی سنٹر نزد آب پارہ اسلام آباد درسِ قرآن مجید کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ۲ مئی ۱۹۸۲ء کو بھی بعد نمازِ مغرب سورہ منافقون کا درس دیا۔ اس سورۃ کے حوالے سے امیر محترم نے نفاق، اس کی علامات۔ مدارج اور پھر اس سے پرہیز اور بچاؤ کی مختلف صورتوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا۔ اس مرتبہ ماہ اپریل میں سالانہ اجتماع کے باعث ناغہ کی وجہ سے حاضری میں قدرے کمی محسوس کی گئی۔ کمیونٹی سنٹر میں ان ماہانہ اجتماعات کا انتظام انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد اس سنٹر کی انتظامیہ کے تعاون سے کر رہی ہے اسی اجتماع میں اعلان کر دیا گیا کہ بروز منگل ۳ مئی ۱۹۸۲ء بعد نمازِ عصر رحمانی کارپوریشن ٹی اینڈ ٹی سنٹر ۹/۴/G اسلام آباد میں بھی ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہو گا جس میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور اس کے لوازمات پر گفتگو ہو گی۔ اس جگہ آجکل تنظیم اسلامی اسلام آباد اور انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد کا ہفتہ وار اجتماع ہر سوموار کو بعد نمازِ عصر منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ بھی سنوائے جاتے ہیں۔ اور کتابچے بھی پڑھنے کے لیے دیئے جاتے ہیں

۳ مئی کو حسبِ اعلان بعد نماز عصر امیر محترم نے بڑے ہی سادہ اور مؤثر پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ اسلامی انقلاب کے مراحل اور اس کے لوازمات پر دو نشستوں میں روشنی ڈالی۔ بعد میں سوالات کی بھی دعوت دی گئی جس میں شرکاء نے تنظیم اسلامی، اس کے طریقِ کار اور نظامِ بیعت پر مختلف وضاحتیں چاہیں بہت سے حضرات نے تنظیم کے کام کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کی قرارداد تاسیس اور شرائط شمولیت پر مشتمل کتابچے بھی حاصل کیے اور تین افراد نے فوری طور پر تنظیم کی رفاقت اختیار کر لی۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جناب ابوہریرہ طاہر صاحب

اسلام آباد۔ جناب شفاء اللہ صاحب تحصیل دیبالپور ضلع اوکاڑہ اور جناب محمد حنیف صاحب، الریاض سعودی عرب۔

اجلاس کے اختتام پر شرکاء کو چائے پیش کی گئی۔ نماز عشاء وہیں تاخیر سے ادا کی گئی۔

۴ مئی کو محترم ڈاکٹر صاحب اور راقم الحروف میر پور کے لیے جناب سید محمد آزاد صاحب کی معیت میں روانہ ہوئے جس کی رپورٹ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے :-

میر پور (آزاد کشمیر) تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ یکم تا ۷ اپریل ۸۳ء کے دوران ناچیز کی درخواست پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۴ مئی، ۵ مئی ۸۳ء دو یوم میر پور اور بھمبر کے لیے مخصوص فرمائے تھے۔ چنانچہ اسی طے شدہ پروگرام کے مطابق ۴ مئی بروز بدھ قبل دوپہر امیر محترم میر پور تشریف لائے اور آتے ہی ضلع کچہری میں وکلاء کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ جلسہ کی صدارت محمد عبداللہ صاحب قاضی ضلع میر پور نے فرمائی۔ یہ عظیم الشان اجتماع مولانا عبدالغفور صاحب صدیقی کی تحریک پر جناب محمد یونس صاحب سورکھوی صدر بار ایسوسی ایشن میر پور اور چوہدری محمد حسین صاحب ایڈوکیٹ نے اپنے دیگر وکلاء ساتھیوں کے تعاون سے کیا تھا۔ جلسہ میں ضلعی افسران، وکلاء حضرات اور کثیر التعداد شہریوں نے شرکت کی اور امیر محترم کے خیالات کو نہایت توجہ سے سنا۔ امیر محترم نے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر ایک گھنٹہ سے زیادہ خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا "کہ پاکستان کے قیام کی واحد بنیاد اسلام تھا۔ ہم نے یہاں اسلام نافذ نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان دولخت ہو گیا اور مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا گیا۔ آپ نے زور دے کر فرمایا کہ اب بھی اگر ہم نے باقی ماندہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ نہ کیا تو یہ ملک باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ اس کی بقاء کی کوئی اور بنیاد موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ انتخابات کے ذریعے اسلام لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ جنت الحمقاء میں رہتے ہیں۔ یہاں الیکشن کے ذریعے کبھی اسلام نہیں آسکتا۔

اسلام اگر آسکتا ہے تو صرف انقلابی طریقہ کار سے آسکتا ہے"۔ تقریر کے اختتام پر ضلعی افسران اور وکلاء نے بعض مسائل پر امیرِ محترم سے تبادلۂ خیالات کیا۔

بعد نمازِ عصر ڈاکٹر اختر الزماں صاحب غوری مالک "الحیات دواخانہ" نے اپنی رہائش گاہ پر شہر کی ممتاز شخصیتوں کو مدعو کرکے ایک اجتماع کا خصوصی انتظام کر رکھا تھا۔ یہاں حاضرین کی تعداد لگ بھگ دوصد ہوگی۔ اس اجتماع کی صدارت ایک نہایت ہی بزرگ اور عمر رسیدہ عالمِ دین حکیم حیات علی صاحب فاضلِ دیوبند نے فرمائی۔ امیرِ محترم نے قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر نہایت عالمانہ انداز میں ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ جسے حاضرین نے بہت پسند کیا۔ صدرِ جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ "تکبیرِ رب" اور "دین و مذہب کا فرق" جس طرح ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمایا ہے وہ انہی کا حصّہ ہے اور یہ ہم نے اپنی زندگی میں پہلی بار سمجھا ہے۔ انہوں نے امیرِ محترم کے لیے خصوصی دعا بھی فرمائی۔ تقریر کے بعد پُر تکلف عصرانہ دیا گیا اور اس طرح مغرب کی اذان پر یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

بعد نمازِ عشاء دارالعلوم صدیقیہ تعلیم القرآن اہلِ سنت والجماعت جامع مسجد بی۔۵ میرپور میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ دراصل دو روزہ سیرت النبیؐ کانفرنس کی آخری نشست تھی۔ اس جلسہ کے لیے پاکستان اور آزاد کشمیر کے دور دراز علاقوں سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع ہٰذا نے فرمائی۔ اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا عبدالغفور صاحب صدیقی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ نے انجام دیئے۔ انہوں نے اپنے استقبالیہ خطاب میں امیرِ محترم کو ان کی دینی خدمات اور قرآنی بصیرت پر شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور میرپور میں امیرِ محترم کی تشریف آوری پر اظہارِ تشکر کیا۔ پروگرام شروع ہونے سے قبل دارالعلوم کے فارغ شدہ طلباء کی دستار بندی امیرِ محترم کے مبارک ہاتھوں انجام پائی۔ ازاں بعد قاری خان محمد صاحب مدرسہ پوٹھ بینسی کی ایمان افروز اور وجد آفرین تلاوت سے

جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی - ایک طالب علم نے نہایت فکرانگیز نظم پیش کی۔ ازاں بعد امیر تنظیم اسلامی نے "اقامتِ دین اسوۂ حسنہ کی روشنی میں" کے عنوان پر قریباً دو گھنٹہ تک نہایت مدلل خطاب فرمایا۔ اور اس طرح بارہ بجے شب پروگرام اختتام کو پہنچا۔ یہاں بھی شہر کی اہم علمی شخصیتوں نے شرکت کی۔ ۵ رمئی بروز جمعرات بعد نمازِ فجر سوال و جواب کی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں متعدد حضرات نے سوالات کیے۔ اور امیر محترم نے جوابات دیئے۔ ساڑھے آٹھ بجے ملک عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر نے پرتکلف ناشتے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جہاں اور بھی بہت سے احباب و معززین مدعو تھے۔ وہاں بھی اچھی خاصی محفل رہی۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے ملک صاحب کے ناشتہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسا شاندار ناشتہ ہے کہ ہمیں پھر یہاں آنا ہوگا اور حاجی صاحب کا مہمان بننا ہوگا۔ میرپور کے قیام کے دوران پٹرول پمپ والے چوہدری محمد صادق صاحب اور بابو رحیم داد صاحب ناظم دفتر D.C نے خصوصی تعاون کیا۔ اور مہمانوں کے آرام کا ہر وقت خیال رکھا۔ مولانا عبدالغفور صاحب صدیقی کی ان تھک محنت اور کوشش سے میرپور کے پروگرام بہت ہی کامیاب رہے۔

بھمبر امیر محترم ۵ رمئی بارہ بجے دن بھمبر تشریف لائے۔ قیام خواجہ محمد اقبال بٹ صاحب رفیق تنظیم اسلامی کے ہاں تھا۔ بعد نمازِ عصر جو حضرات ملاقات کے لیے آئے ان میں مولانا محمد عبداللہ فاضل دیوبند خطیب جامع حنفیہ۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر صاحب۔ چوہدری محمد شریف صاحب ایڈوکیٹ، کیپٹن نعیم مرزا صاحب، قاری نصیرالدین صاحب، مرزا محمد امین صاحب انسپکٹر پولیس، خواجہ محمد صادق بٹ صاحب ہیڈ ماسٹر۔ حاجی شاہ سوار صاحب۔ حاجی قاسم دین صاحب گرہون والے اور مولانا عبدالغفور صدیقی صاحب شامل تھے۔ جبکہ قاری سیف الرحمٰن صاحب نہایت جانفشانی اور تندہی سے مہمانوں کی خدمت اور جلسہ کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ بعد نمازِ مغرب وسطِ شہر کی جامع مسجد حنفیہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں شمولیت کے لیے کوٹلہ۔ برنالہ۔ جا ملاں۔ دیلی سماہنی اور دور دراز سے حضرات تشریف لائے تھے۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا

محمد عبداللہ صاحب فاضل دیوبند نے فرمائی۔ امیر محترم نے "ہمارے تین دینی فرائض" کے موضوع پر مفصل تقریر فرمائی۔ مجمع غیر معمولی تھا اور لوگ بڑے انہماک سے تقریر سن رہے تھے۔ دو گھنٹہ کی مفصل تقریر کے اختتام پر نمازِ عشاء تاخیر سے ادا کی گئی۔ اس جلسہ میں آزاد کشمیر کی تنظیم اسلامی کے تقریباً تمام رفقاء نے شرکت کی تھی۔ ازاں بعد خواجہ محمد اقبال بٹ صاحب کے ہاں کھانا ہوا جس میں ان کا خلوص بھی شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امیر محترم نے بار بار کھانے کی تعریف فرمائی۔ امیر محترم کے اس تبلیغی دورہ میں نائب امیر تنظیم اسلامی برائے پنجاب جناب رحمت اللہ صاحب بُٹر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ساتھ رہے۔ وقاص صاحب اور محمد اقبال صاحب لاہور سے مکتبہ اور کیسٹ سیریز لے کر آئے تھے۔ انہوں نے مکتبہ لگایا جہاں سے کافی کتب فروخت ہوئیں۔ آخر گیارہ بجے شب امیر محترم اپنے تینوں ساتھیوں سمیت بذریعہ کار لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور اس طرح یہ نہایت ہی کامیاب دورہ اختتام پذیر ہوا۔

دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

اپریل ۸۲ء کے سالانہ اجتماع تنظیم اسلامی کے موقع پر فیصلہ کیا گیا کہ مختلف شہروں کی تنظیموں اور منفرد رفقاء سے ذاتی رابطہ کے لیے لاہور سے ان حضرات کو بھیجا جایا کرے جنہوں نے ہر ماہ تین دن اللہ کی راہ میں لگانے کا وعدہ دیا ہوا ہے۔ چنانچہ میرپور اور بھمبر کے لیے ۴ مئی اور ۵ مئی کو امیر محترم کے ساتھ ساتھ جناب غازی محمد وقاص اور جناب محمد اقبال صاحب جن کا تعلق تنظیم اسلامی لاہور جنوبی سے ہے بھی تشریف لے گئے۔ انہوں نے دعوت کو پھیلانے کے لیے قرآن مجید کے دروس پر مشتمل کیسٹ اور امیر محترم کی مطبوعات کے سٹال بھی لگائے اور رفقاء سے ملاقاتیں بھی کیں۔

اسی پروگرام کے تحت تنظیم اسلامی شمالی لاہور کے جناب شمس الحق صاحب گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور وہاں پر موجود رفقاء سے متعارف ہوئے اور ان کو باہم ایک دوسرے سے متعارف کروانے کا ذریعہ بنے۔ انہوں نے گوجرانوالہ کے رفقاء کا اسرہ قائم کیا اور انہیں اجتماعات باقاعدگی سے منعقد کرنے کی تلقین کی۔

جناب ڈاکٹر وقار احمد صاحب اور جناب محمد حفیظ صاحب اسی سلسلے میں

ملتان تشریف لے گئے۔ انہوں نے جناب ڈاکٹر طاہر احمد خاکوانی رفیق تنظیم ملتان کی معیت میں باقی تمام رفقاء سے انفرادی ملاقات بھی کی۔ اور بعد نمازِ مغرب ہفتہ وار اجتماع میں بھی شرکت کی۔ اجتماع میں امیر محترم کے درسِ قرآن بذریعہ کیسٹ کے علاوہ ان ساتھیوں نے تنظیم کی دعوت کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی اور مختلف سوالات کے سلسلے میں وضاحتیں کیں۔

راقم الحروف بھی ذاتی رابطہ کے لیے ۱۹ مئی کو گجر خاں گیا اور وہاں کے رفقاء اور امیر تنظیم سے ملاقات کی۔ ان کو ہفتہ وار اجتماعات کے لیے کہا اور دعوت کے کام کو منظم طریق سے آگے بڑھانے کے سلسلے میں تجاویز پر گفتگو کی۔ ان کی آبادی ڈھوک جبیب کے کچھ احباب سے بھی ملاقات کی۔ اور ان سے تعارف حاصل کیا۔ ۲۰ مئی بروز جمعہ علی الصبح واہ کینٹ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں جناب قاضی ظفر الحق صاحب اور حافظ محمد عبداللہ صاحب سے ملاقات کی۔ اوّل الذکر تو تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں لیکن مؤخر الذکر وہاں بلاک الیف ۳ کی جامع مسجد کے خطیب ہیں اور دین کی اقامت اور توحید و سنّت کی ترویج کے پُرجوش مبلغ ہیں۔ نماز جمعہ ان کی مسجد ہی میں ادا کی اور پھر عازم راولپنڈی ہوا۔

راولپنڈی کی تنظیم کے ہفتہ وار اجتماع عمومی و خصوصی کے سلسلے میں رفقاء نیری لینڈ ہائی سکول میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ بھی اجتماع سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ بعد نمازِ عصر مختلف تنظیمی معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اور امیر محترم اور قیم تنظیم کی طرف سے جاری کردہ مراسلوں کو اجتماعی طور پر پڑھا گیا۔ نمازِ مغرب کے بعد سلسلہ وار درس قرآن مجید کی نشست ہوئی جس میں راقم نے سورہ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع کی کچھ تشریح بیان کی۔

یہ اجتماع نمازِ عشاء سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گیا اور پھر جناب مقصود الٰہی صاحب کی فرمائش پر ان کے محلہ کی مسجد میں بعد نماز عشاء راقم نے اس رکوع کا دوبارہ درس دیا۔ کافی تعداد میں نمازیوں نے شرکت کی۔ بعدہٗ راقم رات ہی کو لاہور کے لیے روانہ ہو گیا اور اللہ کی توفیق سے یوں یہ سفر بخیر و عافیت مکمل ہوا۔

(مرتبہ: رحمت اللہ بٹر صاحب، نائب امیر تنظیم اسلامی برائے پنجاب)

مئی ۸۳ء میں امیرِ محترم کا کراچی میں ورودِ مسعود

تنظیمِ اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع (منعقدہ یکم اپریل تا ۷، اپریل ۸۳ء) کے موقع پر یہ بات علم میں آئی تھی کہ امیرِ محترم ۹ مئی ۸۳ء کو کراچی کے راستے سے شمالی امریکہ کے دعوتی و تبلیغی دورے پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ اسی موقع پر امیرِ محترم سے ۸ مئی ۸۳ء کو کراچی میں درسِ قرآن کے پروگرام کی منظوری حاصل کر لی گئی تھی۔ کراچی میں ملیر ہالٹ کے نزد رفاہ عام سوسائٹی مڈل کلاس کے تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔ پانچ چھ سال قبل اس سوسائٹی کی جامع مسجد میں، جو اس وقت زیرِ تعمیر تھی، ایک روزہ درس قرآن کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ اب ماشاءاللہ یہ مسجد ایک وسیع و عریض 'جامع' کی حیثیت سے تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ صرف صحن اور برآمدوں نیز صدر دروازہ کی تعمیر زیرِ تکمیل ہے۔ اس جامع مسجد کے کارکنان کا عرصہ سے اصرار تھا کہ امیرِ محترم کا کم از کم دو روزہ درس کا پروگرام رکھا جائے۔ لہٰذا ۷، اور ۸، مئی ۸۳ء کو بعد نمازِ مغرب اس مسجد میں سُورۃ الصف کے درس کا پروگرام طے کیا گیا۔ اس پروگرام کی خود رفاہ عام سوسائٹی کی جامع مسجد کی جانب سے علاقے میں بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ نیز مقامی تنظیم نے خود اپنی جانب سے اور چند اہلِ خیر کے تعاون سے اخبارات میں اشتہارات، ہینڈ بل اور پوسٹر کے ذریعے نشر و اشاعت کی۔۔۔ نتیجتاً الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ درس قرآن کا یہ پروگرام کراچی کے کامیاب ترین پروگراموں میں ایک مقام کا حامل بن گیا۔ حالانکہ مئی میں کراچی میں شدید حبس ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ اس درس میں حاضری کا عالم دیدنی تھا۔ مسجد کا وسیع و عریض ہال اور برآمدے حاضرین سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ مقامی لوگوں کے علاوہ دُور دُور سے لوگ بسوں، گاڑیوں، موٹر سائیکلوں اور ریل کے ذریعے جوق در جوق اس مسجد میں پہنچے تھے۔ خواتین کی نشست کا بھی علیحدہ انتظام تھا۔۔ حاضری کا محتاط اندازہ تین چار ہزار کے درمیان تھا۔

سُورہ الصف ہمارے قرآنی منتخب نصاب میں ذروۂ سنام کا مقام رکھتی ہے۔ اس سُورۂ مبارکہ میں ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی امتیازی

اور تکمیلی شان هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ بیان ہوئی ہے، دوسری طرف اہل ایمان پر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت کا نہایت جامع اسلوب کے ساتھ بیان ہوا ہے اور اہل ایمان کو جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی انجام دہی کیلئے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ فرماکر آمادہ کیا گیا ہے۔ کلام اللہ کا اپنا اعجاز اور اپنی تاثیر ہے، جس کی دنیا میں کوئی دوسری مثال ملنی ناممکن و محال ہے۔ پھر قرآن حکیم کے حِکَم و رموز اور عرفان کو بیان کرنے والا کون! وہ جس نے اپنی عمر عزیز قرآن فہمی اور اس کی دعوت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس اجتماع کا عالم یہ تھا کہ اتنا کثیر مجمع ہونے کے باوصف دور دور تک خاموشی طاری رہی اور ع "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" — کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا —

۹ رمئی ۸۳ء بروز پیر صبح ساڑھے نو بجے مقامی تنظیم اسلامی کے دفتر میں سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں رفقاء کے علاوہ تقریباً [illegible] حضرات نے شرکت فرمائی مختلف انواع کے سوالات کئے گئے جن کے امیر محترم نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس نشست کے خاتمہ پر چھ نئے حضرات نے عہد نامہ رفاقت پڑھ کر امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی — ۹ رمئی کو امیر محترم نے بعد نماز مغرب مقامی تنظیم اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کی اور ۱۰ تک شمالی امریکہ کے دورے پر تشریف لے جانے کے لئے ائیرپورٹ روانہ ہوئے اس ضمن میں قابل ذکر خاص بات یہ ہے کہ امیر محترم ۵ رمئی کی شام کو اسلام آباد، راولپنڈی اور آزاد کشمیر کے دورے سے لاہور واپس آئے تھے ۶ مئی کو مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ اور اس دورے کی وجہ سے موصوف پر انتہائی تکان طاری تھی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے امیر محترم کو ہمت عطا ہوئی اور کراچی کا یہ سہ روزہ دعوتی و تدریسی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(مرتب: عبدالواحد عاصم، قیم تنظیم اسلامی کراچی)

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

آپ کو پری اسٹریسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

❁ صدر دفتر : ۶ ۔ کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:۔ ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کھٹالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- انڈس ہائی وے۔ مختار آباد۔ نزد راجن پور (ڈیرہ غازیخان ڈویژن)،
- فیروزپور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون:۔ ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون:۔ ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ۔ مریدکے
- جی-ٹی روڈ۔ سرائے عالمگیر
- جی-ٹی رود۔ سوال کیمپ۔ راولپنڈی: فون:۔ ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

Regd. L No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 | JULY 1983 | No 7

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچاکر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

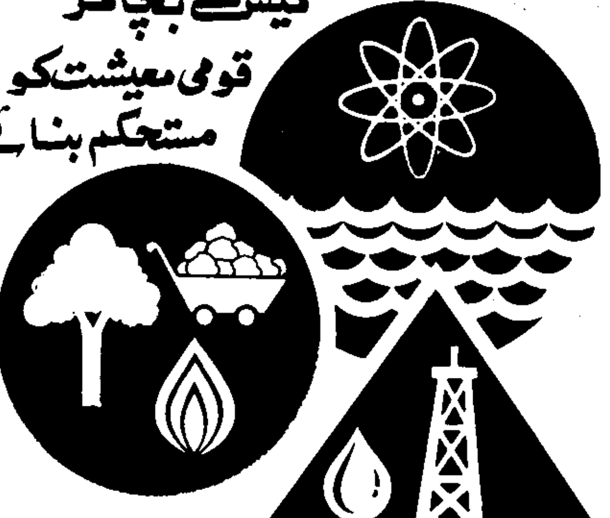

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے،
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ